خوبصورت لوگوں کی سرزمین

ماہنامہ اردو

شمارہ نمبر 11 اکتوبر 2011 ذی القعدہ 1432ھ

اسلام

اردو ادب

اردو شاعری

سائنس و ٹیکنالوجی

گوشۂ خواتین

کھیل کھلاڑی

نہیں ہے ناامید اقبال اپنی کشتِ ویراں سے

ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

ون اردو ڈاٹ کوم

اس شمارے میں

عرضِ حال	سمارا	3
آیت مبارکہ، حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم	بنت احمد	4
حمد باری تعالیٰ	فرید ندوی	5
نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم	فرید ندوی	5
تبصرہ جات		6
اسلام		
شمسی سال یا قمری سال	ادارہ	8
اردو ادب		
اقبال اور اسرار خودی	ارمان فاروقی	10
جادو ٹونہ۔۔۔ایک اہم معاشرتی مسئلہ	ہ۔د	12
بنیاد پرست	ندیم اختر	14
وہ ایسی تو نہیں تھی!!!	موناسید	18
افسانچے	بنت احمد	20
قسمت	موناسید	21
ہیری پوٹر اینڈ دی فلاسفر اسٹون	مون	23
لطائف اقبال رحمتہ اللہ علیہ	سلمان سلّو	26
اردو شاعری		
نہ کوناں کہنا نہیں یہ ہے نشاں انکار کا	کشتاج	27
عجیب شخص ہے خود فاصلے بچھاتا ہے	طارق بٹ	28
عجیب رنگ سفر ہم نے اختیار کیا	بقابلوچ	28
پار جب اترنا تم، کشتیاں جلا دینا	عاکف غنی	28
عدم کے مسافر	نوید ظفر کیانی	29
بے خبری	نداسلمان	29
نمی	نداسلمان	29
آج موسم بڑا رومانی تھا	کائنات بشیر	30
انتظار	کائنات بشیر	30
ظفرانیات	نوید ظفر کیانی	30
مزاحیہ انتخاب	ڈاکٹر انعام الحق جاوید	31
اس ماہ کے شاعر	سید منیف اشعر	32
اشاعت خصوصی	علامہ اقبال	33
سائنس و ٹیکنالوجی		
سمجھیں اس کے کام کو	سلمان سلو	35
بینڈوڈتھ(BANDWIDTH)	امان	37
کیا آپ جانتے ہیں	امان	37
ڈاؤنلوڈز	امان	38
آئی ٹی ٹپس / ٹرکس	امان	38
پراسرار دائرے	ادارہ	39
دلچسپ و عجیب خبریں	امان	40
گوشہ خواتین		
سبزیوں کی افادیت	ہما جاوید	41
حیدرآبادی چکن	ہرڈ	42
مرغ ٹماٹر اور چاول	جیا احمد	43
زردہ رنگین	جیا احمد	43
انٹرٹینمنٹ سیکشن		
شمیم آرا	دلپسند سیال	44
اسپورٹس سیکشن		
کرکٹ کی روح ابھی باقی ہے	عبداللہ	48
عامر خان	مون	49

مدیران اعلیٰ: یاز غل، سمارا
معاون مدیران: عمران نئیر خان، محسنہ، امان
میگزین ڈیزائنرز: سمارا، حرف دعا، نداسلیمان
کوآرڈینیشن مینیجر: سعدیہ محمد
اکاؤنٹ مینیجر: محسنہ

عرضِ حال

السلام علیکم معزز قارئین

ماہنامہ ون اردو کے اکتوبر 2011 کے شمارے کے ساتھ حاضر ہیں۔ امید ہے کہ آپ کا گزشتہ شمارے سے لے کر اس شمارے تک کا وقت اچھا گزرا ہو گا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ سب کو خیر و عافیت سے رکھے۔ حسب معمول یہ شمارہ بھی ون اردو ممبران کے قلم سے نکلی تحاریر سے مزین ہے۔ ہمیں امید ہے کہ یہ کاوشیں آپ کی توقعات پہ پوری اتریں گی۔

ماہ نومبر میں شاعر مشرق علامہ محمد اقبال رحمتہ اللہ علیہ کے یوم ولادت کی مناسبت سے اس شمارے میں شاعر مشرق کے افکار کے بارے میں مضامین، آپ کی زندگی کے واقعات اور منتخب شاعری شامل کی گئی ہے۔ جاننے والے جانتے ہیں کہ آپ کا پیغام آج بھی اتنا ہی موثر ہے جتنا قیام پاکستان کے وقت تھا، حتیٰ کہ یہ مستقبل کے مسلمانوں کے لئے بھی قابل عمل اور بہترین نصیحت ہے۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے\
نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاک کاشغر

موسموں کا تغیر باری تعالیٰ کی عطا کردہ بے شمار نعمتوں میں سے ایک ہے۔ گرمی کا زور ٹوٹ گیا ہے۔ موسموں کا قافلہ خزاں کے راستے سے گزر کر پڑاؤ کے لئے سردیوں کے دروازے کھٹکھٹا رہا ہے۔ گہری خاموشی اور اس خاموشی کو توڑتا ہوا تیز ہوا کا شور، اس موسم کی خاص پہچان ہے۔ پھر اگر بھاپ اڑاتا کافی کا مگ سامنے آجائے تو مزا دوبالا ہو جائے۔ ذرا ایک لمحے کے لئے ٹھہرئے اور سوچئے، یہ گرم کافی بھی اللہ تعالیٰ کی ان گنت نعمتوں میں سے ایک ہے۔ اس کی عطا ہے اور ہم پہ اس احسان کی شکر گزاری واجب۔ شکر گزاری کی عادت بھی ایک نعمت ہے جو اگر حاصل ہو جائے تو بندگی کا حق ادا ہو جائے۔

یاد رکھئے مملکت خداداد پاکستان بھی ہمیں عطا کی گئی نعمتوں میں سے ایک ہے۔

والسلام

سمارا\
مدیر اعلیٰ\
ماہنامہ ون اردو

آیتِ مبارکہ:

اَلَم یَانِ لِلَّذِینَ اٰمَنُوا اَن تَخشَعَ قُلُوبُھُم لِذِکرِ اللّٰہِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الحَقِّ وَلَا یَکُونُوا کَالَّذِینَ اُوتُوا الکِتٰبَ مِن قَبلُ فَطَالَ عَلَیھِمُ الاَمَدُ فَقَسَت قُلُوبُھُم وَکَثِیرٌ مِّنھُم فٰسِقُونَ

(سورۃ حدید۔۱٦)۔

ترجمہ:۔

"کیا ایمان والوں کے لئے اس بات کا وقت نہیں آیا کہ انکے دل خدا کی نصیحت کے اور جو دین حق (منجانب اللہ) نازل ہوا ہے اس کے سامنے جھک جاویں اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاویں جنکو ان کے قبل کتاب (آسمانی) ملی تھی (یعنی یہود و نصارٰی) پھر (اسی حالت میں) ان پر زمانہ دراز گزر گیا (اور توبہ نہ کی) پھر انکے دل (خوب ہی) سخت ہو گئے اور بہت سے آدمی ان میں کے (آج) کافر ہیں۔"

حدیث نبوی ﷺ:

" حضرت دُرّہ بنت ابی لَہَب رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ منبر پر تشریف فرماتھے کہ ایک شخص نے کھڑے ہو کر سوال کیا: یارسول اللہ! لوگوں میں بہترین شخص کون سا ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بہترین شخص وہ ہے جو لوگوں میں سب سے زیادہ قرآن شریف کا پڑھنے والا، سب سے زیادہ تقویٰ والا، سب سے زیادہ نیکی کے کرنے اور برائی سے بچنے کو کہنے والا اور سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والا ہو۔ (مسند احمد، طبرانی، مجمع الزوائد)۔

مراسلہ: بنت احمد

حمد باری تعالیٰ

کوئی اُسے مانے یا نہ مانے، وہ خالقِ کبریا ہے سب کا
اُسی سے ملنا ہے سب کو آخر، اُسی سے تو واسطہ ہے سب کا

کسی بھی مشکل میں مت لگاؤ کبھی درِ غیر سے امیدیں
خدا سے مانگو جو مانگنا ہے، وہی تو مشکل کشا ہے سب کا

وہی مری محنتوں کا پھل بھی، مری دعاؤں کا ماحصل بھی
وہی دعائیں سکھانے والا، وہ آپ ہی مدعا ہے سب کا

وہی جو ہے سارے بیش و کم میں، وہ جس سے ڈھارس ہے فرطِ غم میں
حیات کے سارے پیچ و خم میں، وہی تو اِک آسرا ہے سب کا

سبھی کے دل اُس کی انگلیوں میں، وہ پھیر دے جس طرف کو چاہے
اُسی کے قبضے میں روح سب کی، جو حالِ دل جانتا ہے سب کا

میں کیوں کسی اور کو پکاروں، میں کیوں کسی سے بھی لو لگاؤں
کسی کے قبضے میں کچھ نہیں ہے، خدا ہی حاجت روا ہے سب کا

بس ایک در ہے کہ جس کی جانب ہیں سب کے سب ٹکٹکی لگائے
بس ایک داتا ہے جس کے آگے سوال کو ہاتھ اُٹھا ہے سب کا

کسی کسی کو نصیب ہوتی ہے حمد اور نعت کی حلاوت
اُسی سے مانگو یہ خوش نصیبی، نصیب جو بانٹتا ہے سب کا

اگر ہیں خوشیوں کے چند لمحے، تو زندگی میں ہزاروں دکھ ہیں
فرید دکھ سے بھرے جہاں میں خدا ہی درد آشنا ہے سب کا

(فرید ندوی)

نعت رسول مقبول صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم

جس نے آقا سے بدزبانی کی
آپ نے اُس پہ مہربانی کی

سرحدیں جسم سے دلوں تک ہیں
شاہِ بطحا کی حکمرانی کی

کیسے توصیف ہو سکے ہم سے
آپ کی شانِ جاودانی کی

آپ پر ختم ساری خوش ذوقی
آپ معراج خوش بیانی کی

رب نے انساں سے بات کی، لیکن
اپنے محبوب کی زبانی کی

اتباعِ شہِ اُمم لوگو!
شرطِ اوّل ہے کامرانی کی

کاش طیبہ ہو آخری منزل
میرے رہوارِ عمر فانی کی

میں غلامِ شہِ اُمم ہوں فرید
ہے بڑی بات شادمانی کی

(فرید ندوی)

تبصرہ جات

تبصرہ: کائنات بشیر

ایک بار پھر ون اردو شمارہ میرے ہاتھوں میں ہے، دیدہ زیب سرورق کے ساتھ۔ ایک نظر میں ہی اندازہ ہو رہا ہے کہ تین بہت اہم موضوعات کو نمایاں کر رہا ہے۔ جشن آزادی، ماہ رمضان اور عید الفطر۔

شمارے میں اسلام اور ماہ رمضان کے حوالے سے مضامین نے بروقت بہت معلومات دیں اور رمضان کے پاکیزہ ماحول سے ہم آہنگی کی۔

سلسلے وار مضامین بھی خوب رہے۔ اور ساحرہ سس نے جس طرح نیاگرا فال بارے مضمون دیا اور تصاویر دیں وہ بہت اچھا لگا۔ میں خود نیاگرا فال دیکھ چکی ہوں، لیکن وہ ایسی جگہ ہے جہاں بار بار جانے اور دیکھنے کو دل چاہے۔ اور اسی طرح خسرو بھائی نے جس طرح ریاست قطر کے بارے میں لکھا اور اسے خوبصورت تصاویر سے مزین کیا وہ قابل تعریف ہے۔ پھر عید کے حوالے سے خسرو بھائی کا مضمون بھی خوب رہا۔ یہ جاننا دلچسپی کا باعث بنا کہ وہاں عید کی رونق سہ پہر سے شروع ہوتی ہے۔ اور کوثر بہن نے حیدر آباد دکن کی عید کی رونق دکھائی تو بہت اچھا لگا۔

افسانے، شاعری سب شعبے ایک دوسرے سے سبقت لے جاتے نظر آئے۔ کچن میں بھی اچھے اچھے کھانے موجود تھے۔ جن سے یقیناً عید کا مینو بنانے میں مددگار رہے ہوں گے اور سبزیوں سے متعلق ہاجی کا مضمون بہت خوب تھا۔ یہ تو وقت، صحت کا تقاضا بھی ہے کہ مٹن، چکن، روسٹ، پائے کے ساتھ ساتھ سبزیوں کو بھی اپنے دستر خوان کی زینت بنایا جائے۔ محسنہ سس کا رمضان کی نسبت سے کھجور کی افادیت کے بارے میں بتانا بھی بر محل تھا۔

شہنشاہ ظرافت منور ظریف کے بارے میں آرٹیکل بہت اچھا لگا۔ پاکستانی فلم انڈسٹری گو اس وقت ایک ناکام حالت میں ہے، لیکن اسی فلمی صنعت نے عوام کو فلموں، ڈراموں کے حوالے سے بہت سے بڑے بڑے کامیڈین دیئے۔ ظریف، نرالا، لہری، رنگیلا، علی اعجاز، ننھا اور ان سب میں شہنشاہ ظرافت بلاشبہ منور ظریف ہی رہے۔ گو انہوں نے کچھ فلموں میں سنجیدہ رول بھی ادا کیے لیکن ان کی پہچان مزاحیہ اداکاری سے ہی ہوئی۔ ان کی اداکاری اور کرداروں میں اتنی ورائٹی اور پرفیکشن ہے کہ لگتا ہے بہت سارے کرداروں کا کام وہ اکیلے کر رہے ہیں۔ اور جیسے علی اعجاز اور ننھا کی جوڑی بنی اسی طرح منور ظریف اور رنگیلا کی کیمسٹری ملی۔ اور دونوں نے اپنی موجودگی سے فلم کو مشہور اور کامیاب بنایا۔ اور ان جیسا کامیڈین نہ پہلے تھا نہ ہو سکتا ہے۔ اللہ انھیں غریق رحمت کرے۔ آمین۔ عین عالم شباب میں اس دنیائے فانی سے رخصت ہو گئے۔ لیکن ان کی اداکاری اور کردار آج بھی مقبول ہیں۔

مجموعی طور پر شمارہ بہت عمدہ لگا۔ خوبصورت ڈیزائننگ بھی نمایاں رہی۔ سب ٹیم کو بہت مبارکباد۔۔۔۔

مجھے تو لگتا ہے کہ اب وہ وقت آ چلا ہے۔ جب یہ بھی ہارڈ کاپی میں تبدیل ہو کر کسی گھر کے ٹیبل، بک سٹورز کے ریک اور ائرپورٹ کی بک شاپ میں باقی کتابوں اور میگ کے ساتھ پڑا قاری کو اپنی طرف متوجہ کر رہا ہو کہ سوچ کیا رہے ہو۔ ایک بار مجھے خرید کر اور پڑھ کر تو دیکھو۔ تمھیں خود پتہ چل جائے گا۔ خوبصورت لوگوں کی سرزمین سے آیا ہوا ون اردو میگزین۔

آپ کی پسندیدگی کا بہت شکریہ۔ ماہنامے کے بارے میں اتنے تفصیلی اور جامع تبصروں سے بھی تحاریر کے معیار کو مزید بہتر سے بہتر بنانے میں بہت مدد ملتی ہے۔ میگزین کو کتابی شکل میں شائع کرنے کے بارے میں آپ کی تجویز بہت امید افزاء ہے اور ان شاءاللہ اگر اسی طرح تسلسل کے ساتھ میگزین شائع ہوتا رہا تو ایک دن یہ منزل بھی آ کے رہے گی۔

تبصرہ: سلمان سلّو

السلام علیکم ورحمتہ اللہ۔۔

شمارہ اگست خاصی تاخیر سے ملا۔ گزارش ہے جہاں آپ میگزین کے لئے اتنی محنت کرتے ہیں وہاں تھوڑی پبلسٹی بھی کر لیا کریں۔ میگزین کی ریلیز سے دو تین دن پہلے بلاگ وغیرہ میں میگزین کی آمد کا اعلان کر دیا کریں۔۔۔۔ نوازش ہو گی۔۔۔ چونکہ سرورق میرا خود کا ڈیزائن کیا ہوا ہے اور اپنی دہی کو سبھی میٹھا کہتے ہیں تو میں بھی تعریف ہی کروں گا کہ میں نے خاصی محنت سے ڈیزائننگ کی تھی۔۔ ہو شربا و سارا بہنوں کی اندرونی صفحات کی ڈیزائننگ بھی کافی عمدہ رہی ویل ڈن۔۔

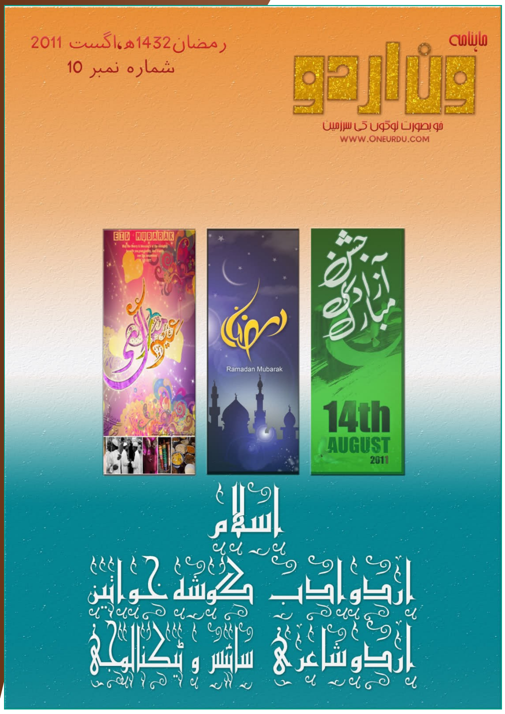

اسلام سیکشن میں احمد غزنوی بھائی کی تحریر "رمضان المبارک فضائل، مسائل، احکام و سارا بہن کی تحریر "سائنس اور باری تعالیٰ کی کبریائی" دونوں سپر ڈوپر ہٹ تحریریں رہیں۔ اللہ آپکو جزائے خیر عطا فرمائے آمین۔۔۔ سارا بہن کی تحریر گو بہت بہترین تھی لیکن کچھ تشنگی سی رہی اس موضوع پر مزید تحریریں لکھنے کی ضرورت ہے۔۔۔ خسرو بھائی کی تحریر "دریائے نیل کے نام" کے بارے میں گزارش ہے براہ مہربانی صحابی کے نام مبارک کے ساتھ مکمل "رضی اللہ عنہ" لکھا کریں صرف "رض" دیکھ کر کوفت ہوتی ہے۔۔۔ اردو ادب میں افسانے کچھ پرانے سے معلوم ہو رہے ہیں۔۔ مون کی تحریر "جادو جو سر چڑھ کر بولے" بہت بہترین تحریر رہی۔۔ ویل ڈن مون آپ بہت اچھا و دلچسپ لکھتی ہو۔ کیپ اپ دا گریٹ ورک۔ ہر ماہ ون اردو میگزین میں پابندی سے لکھا کریں۔۔۔ خسرو بھائی و ساحرہ بہن کے سفر نامے معہ تصویروں کے بھی خوب رہے۔۔۔ اردو شاعری میں رافعہ خان بہن کی "خسارہ"، فرید ندوی بھائی کی "تلاش" اور کائنات بہن کی "پڑوسن" زبردست رہی۔ کائنات بہن کی تحریریں دیکھ کر حیرت ہوتی ہے ماشاءاللہ ہر فن مولا ٹائپ کی بہن ہیں۔۔۔ سائنس و ٹیکنالوجی سیکشن میں ادارے کی جانب سے تحریر "سائنسدان کائنات کے وجود کا بھید کھولنے کے قریب" بہت معلوماتی و زبردست تحریر رہی۔ بہت

شکریہ۔۔۔ گوشہ خواتین میں ہما آپی نے "سبزیوں کی اہمیت" کے حوالے سے بہت اچھا سلسلہ شروع کر رکھا ہے۔ اس کو جاری رکھیں۔ "سبزیوں کی اہمیت" کے بعد "پھلوں کی اہمیت" پر بھی سلسلہ شروع کریں۔۔۔ محسنہ بہن نے کھجور کے حوالے سے بہت معلوماتی مضمون شیئر کیا۔ بہت شکریہ۔۔۔ ہرڈ بہن اور نور العین ساحرہ بہن کے درمیان تو ریسپی پیش کرنے کا مقابلہ سا رہا۔ ماشاء اللہ دونوں بہنیں ہی کھانے پکانے کی کافی ماہر و سگھڑ لگتی ہیں۔۔۔ دلپسند بھائی اچھے لکھاری ہیں۔ گزارش ہے فلمی ہیروز کے ساتھ ساتھ قومی ہیروز پر بھی تحریریں لکھیں۔۔۔ اسپورٹس سیکشن میں یاز غل بھائی اولمپک گیمز میں پاکستان کی کارکردگی کیساتھ موجود تھے۔ کافی معلوماتی تحریر رہی بہت شکریہ۔۔۔ رمضان، یوم آزادی، عید الفطر اسپیشل سیکشن بھی دلچسپ رہی۔ خاص طور پر عیدین کا احوال خاصا دلچسپ رہا۔ خسرو بھائی کی "عید" تو کچھ پھیکی سی لگی۔ کوثر بیگ بہن کی "دکن میں عید" خاصی رنگا رنگ رہی۔ کائنات بہن کی رمضان کارگزاری بھی دلچسپ رہی۔ ہما جاوید آپی نے "میرے پسند کے اشعار" سلسلے کی جو تجویز پیش کی ہے اس سے میں بھی اتفاق کرتا ہوں، میگزین میں ایسے سلسلے ضرور شروع کرنے چاہیئے جس میں قارئین کو حصہ لینے کا موقع ملے۔

وعلیکم السلام

میگزین کی پسندیدگی کا بہت شکریہ۔ جن جن لکھاریوں کو آپ نے مستقل لکھنے کو کہا، امید ہے کہ وہ آپ کے تبصرے کو پڑھنے کے بعد اس بات پہ ضرور غور اور عمل کریں گے۔ آپ کے دلچسپ اور تفصیلی تبصروں کا آئندہ بھی انتظار رہے گا۔ شکریہ

تبصرہ: ندیم اختر

خدا کا شکر ہے کہ ہمارے میگزین کا اسکور ڈبل فگر تک جا پہنچا۔ اس نفسا نفسی کے دور میں بے لوث رضاکاروں کی جماعت کی طرف سے دس اشاعتوں کی بنا تعطل تکمیل بذاتِ خود ایک بڑی کامیابی ہے۔ (ویسے اس پر تحقیق ہو سکتی ہے کہ آیا تاریخ انسانی میں مستثنیات کو چھوڑ کر کوئی دور ایسا گزرا ہے جسے نفسا نفسی کا دور نہ کہا جا سکتا ہو؟)۔ اس پر مستزاد یہ کہ معیار بھی گاہے بہتری کی جانب گامزن ہے اور دسواں شمارہ اس کا منہ بولتا، بلکہ چیختا چنگھاڑتا ثبوت ہے۔

اچھا جی پہلے ذرا ڈیزائن پر بات ہو جائے۔ سرورق خاصا جاذب نظر لگا اور اندرونی صفحات کا لے آؤٹ بھی بہت پروفیشنل اور اب تک کے شماروں میں شاید سب سے عمدہ رہا۔ بالخصوص تصاویر کو جس عمدگی سے ترتیب دیا گیا اور ان کے حجم اور تناسب کا خیال رکھتے ہوئے مناسب مقامات پر ٹانکا گیا اس نے شمارے کی ظاہری خوبصورتی میں چار سے کہیں زائد چاند لگا دیے۔ اور پھر معیار پر سمجھوتا کیے بغیر فائل کا حجم ہمیشہ سے کہیں مختصر رکھنا تو ایسا کارنامہ ہے جس کے لیے ڈیزائننگ ٹیم شکریے کے ساتھ ساتھ خصوصی دعاؤں کی بھی مستحق ہے۔

اب آتے ہیں مندرجات کی طرف۔ عرضِ حال میں یاز غل بھیا رمضان، عید الفطر اور پھر آزادی کی مناسبت سے اچھی اچھی باتیں کرتے نظر آئے جنہیں پڑھ کر سب بچے یقیناً بہت خوش ہوئے ہوں گے۔ جنابِ فرید ندوی کے نعتیہ کلام کے تو کیا ہی کہنے، واہ واہ، سبحان اللہ۔ ان کی محبت اور صلاحیت دونوں پر بے پناہ رشک آتا ہے اور سچ پوچھیں تو ابتدا میں ہی اتنا معیاری کلام پڑھ کر باقی ماندہ میگزین کے بارے میں توقعات خاصی بڑھ جاتی ہیں۔

اس کے بعد احمد غزنوی بھائی کی رمضان المبارک کے حوالے سے مفصل تحریر نظر سے گزری جس کا اندازِ بیاں سہل تھا اور جس سے کئی باتوں کی یاددہانی کے ساتھ ساتھ بہت کچھ نیا بھی سیکھنے کو ملا۔ یہ سلسلہ سلمان سلو بھیا کے تالیف کردہ انعاماتِ رمضان المبارک پڑھتے ہوئے بھی جاری رہا۔ اس کے بعد سارا باجی کا مضمون سائنس اور باری تعالیٰ کی کبریائی سامنے آیا جو معیار کے ہر پیمانے پر پوری، بلکہ پوری سے کچھ زیادہ ہی اترنے والی تحریر رہی۔

رض چودھری بھیا کی کہانی نیا پن نہ ہونے کے باوجود ٹھیک لگی۔ اس کے ختم ہونے کے بعد سارا ایک بار پھر سراب کے ہمراہ ہماری منتظر تھیں۔ کہانی کا پیغام اچھا تھا اور منظر نگاری مناسب۔ اس بار ایڈیٹر چوائس ایوارڈ جیتا وطن سے محبت کیوں؟ نے، پر ایمانداری کی بات ہے کہ یہ تحریر ہمارا دل نہیں جیت سکی۔ لیکن یہ بات ہم مُون آپی کے راوِلنگ آنٹی اور ان کی شہرہ آفاق کہانیوں پر تذکرے و تبصرے کے متعلق نہیں کہہ سکتے کیوں کہ ہم شروع دن سے ان مصنفہ کے پرستاروں میں سے ہیں۔

خسرو بھیا نے قطر کی باتصویر سیر کروائی، اور کیا خوب کروائی۔ پڑھ کر جانا کہ نظم کے ساتھ ساتھ نثر میں بھی جناب کے جوہر قابلِ دید و داد ہیں۔ ساحرہ آپا نے اختصار کے ساتھ نیاگرا آبشار (جس کا نام پڑھ کر بے ساختہ طور پر آگرہ اور پھر تاج محل، شاہجہاں وغیرہ یاد آ جاتے ہیں) دکھایا جسے ہم نے غور سے دیکھا اور سوچا کہ اس سے ملتا جلتا سین پارٹ تو ہمارے تربیلے، منگلے ڈیموں پر بھی ہوتا ہے۔

غزل کے معاملے میں خاصا نک چڑھا ہونے کے باوجود سلو بھیا اور کائنات آپی کی کاوشوں نے متاثر کیا اور جنابِ ندوی کے کلام کی تعریف تو ہم جیسوں کا مقام ہی نہیں۔ رافعہ بہنا جی کی نظم اتنی پر ہیبت اور پر شکوہ ہے کہ معانی مطلب کی گہرائی میں جانے کی ہمت نہیں پڑ سکی اور جو کچھ بھی ہے خدا کی قسم لاجواب ہے والے مقام پر رک جانا مقدر ٹھہرا۔ چچا عباس تابش کا کلام شامل کر کے ادارے نے ہمارے ساتھ بڑی نیکی کی، ضرور اس کا اجر ادارے کو فلاحِ دارین کی صورت ملے گا۔

اس سے قبل کہ یہ تبصرہ داستانِ الف لیلیٰ کی طوالت کو مات دے، صدقِ دل سے چند مختصر بیانات جاری کرتے ہوئے بساط لپیٹتے ہیں۔ یہ کہ سائنس و ٹیکنالوجی کے باب میں شامل مضامین کا معیار معقول، گوشہ خواتین کی تحریریں اور ترکیبیں بالترتیب معلومات افزا اور منہ میں پانی بھر لانے والی اور انٹرٹینمنٹ سیکشن فی الواقع تفریح سے بھرپور تھا۔ نیز یہ کہ جشنِ آزادی اور عید کے حوالوں سے شامل کی گئی تحاریر موقع کی مناسبت سے ٹھیک ٹھاک رہیں۔

اور آخر میں ایک بہت اہم سوال۔ کئی ساتھیوں نے ایک سے زائد میدانوں میں کامیابی سے اپنی صلاحیتوں کا اظہار کر کے خود کو آل راؤنڈر ثابت کیا۔ ہم بھی ان جیسے بننا چاہتے ہیں اور ہمارا ان سب سے سوال ہے کہ آخر اس ہمہ جہتی کا راز کس کوکنگ آئل یا بناسپتی گھی میں پوشیدہ ہے؟

محترم ندیم بھائی! اس جامع و مفصل تبصرہ نگاری پہ ہم آپ کے مشکور و ممنون ہیں۔ آپ کا اندازِ سخن ایسا ہے کہ شمارے کے قارئین شمارے کی بجائے آپ کے تبصروں کا زیادہ انتظار کرتے ہیں۔ آپ یقیناً" اس سلسلے کو اسی طرح جاری و ساری رکھیں گے۔ بہت شکریہ

شمسی سال یا قمری سال

ادارہ

فی الحقیقت جس قدر سائنٹیفک معلومات کو ترقی ہوتی جائیگی اور جس قدر کہ حقائق عالم کا انکشاف زیادہ ہو گا اسی قدر اسلامی اصولوں کی صداقت کے متعلق تائید حاصل ہوتی جائے گی۔ بظاہر شمسی سال میں تعین اوقات کی ایسی خوبی موجود ہے کہ اس کا دنیاوی امور کے لیے مفید ہونا بلا حجت تسلیم کیا جاسکتا ہے۔ اور چونکہ کرۂ زمین کی مداری حرکت کو، جو 365 دن اور چند گھنٹوں اور منٹوں میں، اپنے مرکز کے گرد ختم کر لیتی ہے پورے بارہ حصوں یا بالفاظ دیگر مہینوں میں تقسیم کر لیا جاتا ہے۔ اور پھر گھنٹوں کی کسرات کو چوتھے سال اور منٹوں کی کسرات کو ہر چوتھی صدی میں سال کبیسہ بنا کر پورا کر لیتے ہیں۔ اس لیے جو موسم ہر ملک میں جس مہینے کے لیے مختص ہے اس میں تفاوت نہیں ہوتا اور ہمیشہ مہینوں کے نام ہی بتلا دیتے ہیں کہ آیا ان ایام میں دور دورہ گرمی یا جاڑہ کا ہے یا عمل و دخل بہار اور خزاں کا۔ برخلاف اس کے قمری میں مہینوں کے ساتھ نہ تعین موسم ہے نہ باقاعدہ سالانہ اوقات کی تقسیم کیونکہ آج اگر ماہ صفر میں موسم گرما کا آغاز ہے تو اس سے نویں سال اس نام کے قمری مہینے میں کڑکڑاتا جاڑا پڑتا ہو گا۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ چاند زمین کے گرد 29 روز 12 گھنٹے 24 منٹ اور کچھ سیکنڈ میں اپنا دورہ پورا کر لیتا ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ چاند قرص آفتاب کے محاذ آ کر جب دوسری مرتبہ اسی نقطہ پر واپس آتا ہے تو اس کو 29 روز 12 گھنٹے 24 منٹ اور کچھ سیکنڈ صرف کرنا ہوتے ہیں اور یہی باعث ہے کہ رویت ہلال کبھی 29 روز اور کبھی 30 روز میں ہوتی ہے اور اسی کا نام قمری مہینہ ہے ان کے اعتبار سے قمری سال تقریباً 355 دن کا ہوتا ہے اور اسلیے سال شمسی سے بقدر دس یوم تخمینی کم ہے یہی کمی ہر چوتھے سال یعنی تین برس کے ختم ہونے پر ہندوستان میں ایک لوند کا مہینہ اضافہ کر دینے سے پوری کر لی جاتی ہے۔ حالانکہ اسلامی سال قمری میں کبھی کمی بیشی نہیں کی جاتی اور اس لیے ہمیشہ ہر سال دس اور کبھی گیارہ روز کی کمی سے مہینوں اور موسموں میں اختلاف ہوتا رہتا ہے۔

اب غور طلب یہ امر ہے کہ آیا یہ ظاہری نقص اسلامی سال قمری کا در حقیقت عیب ہے یا ثواب۔ بظاہر اس میں کوئی شک نہیں کہ سال شمسی میں تغیر اور تبدل موسم وقت معینہ پر ہونے پر زراعت اور تجارت میں کافی امداد ملتی ہے اور وقت پر کاشت وغیرہ کا انتظام کر لیا جاتا ہے۔ لیکن دراصل زراعت کے لیے مہینوں کا جاننا کوئی ضروری شرط نہیں ہے بلکہ اس کا انحصار موسم کے تغیر پر منحصر ہے۔ مثلاً ہندوستان میں جولائی کا مہینہ آ جانا اس لیے کافی نہیں ہو سکتا کہ کاشتکار لوگ تخم ریزی شروع کر دیں بلکہ اس کے لیے بارش کا ہونا لازم ہے چنانچہ ادھر بارش شروع ہوئی ادھر ان کا کام شروع ہو گیا اگر بارش نہ ہوئی تو جولائی اور اگست، سب مئی اور جون کے برابر ہیں۔ اسی طرح ایام بارش ختم ہونے کے بعد جب رت بدلی ہوئی معلوم ہوتی ہے اور سردی کا آغاز ہر عالم اور جاہل کو یکساں طور پر محسوس ہوتا ہے تو لوگ سرمائی انتظام میں مصروف ہو جاتے ہیں اور کاشتکار لوگ فصل ربیع کے بونے میں ساعی ہوتے ہیں اور ان کے اس امر کو جاننے کی ضرورت لاحق نہیں ہوتی کہ اس مہینے کو انگریزی میں کیا کہتے ہیں۔ اور ایران میں اس کا کیا نام ہے۔ الحاصل جو خوبی بظاہر شمسی سال میں نظر آتی ہے اس پر کاروبار دنیاوی کا انحصار نہیں ہے بلکہ تغیر موسم پر ہے پھر اس قدر ضرورت بھی صرف ہندوستان میں محسوس ہوتی ہے جہاں تین موسم مقرر ہیں حالانکہ تمام دیگر ممالک میں بارش کے اوقات عموماً غیر معین ہیں کہیں تو بارش ہوتی ہی نہیں اور کسی ملک میں ہوتی ہے تو کوئی دن خالی نہیں جاتا۔ اس لیے ظاہر ہے کہ سال شمسی کا وجود جس قدر کہ انضباط اوقات کے لیے ضروری ہے اس قدر لوازم زندگی کے لیے لابد نہیں۔ اور اگر چند پہلوؤں پر نظر ڈالنے سے اس کے فوائد مان لیے جائیں تو سب سے مشکل یہ امر پیش آتا ہے کہ تمام عالم کے مہذب اور غیر مہذب عالم اور جاہل ذکور اور اناث کے لیے کون ذریعہ ہے کہ جس سے وہ صحیح حساب تحویلات شمسی کا کریں اور اگر ایک مہینے کی ایام شماری میں غلطی پڑ جائے تو کس قدرتی علامت سے وہ اپنی تاریخوں کو صحیح رکھ سکیں۔ غرض اس تقریر سے یہ ہے کہ جب تک مصنوعی ذرائع مسل جنتری وغیرہ کے نہ حاصل ہوں یا ہر ملک و قوم میں چند منجم اور جوتشی نہ ہوں جن پر جنتری کا مدار ہو اس وقت تک عوام کے لیے کوئی فطرتی اور قدرتی ذریعہ نہیں ہے کہ سال شمسی کا اجراء ہو سکے۔ چنانچہ باوجود علم و فضل کے ہندوستان کے قدیم علماء نے بھی اگرچہ سال شمسی بنایا کیونکہ ہندوستان میں بالخصوص فصول ثلاثہ کے باعث اس کی ضرورت تھی لیکن ذریعہ حساب لگانے کا چاند ہی کو قرار دیا۔ اور اس کے دور کی کمی کو ہر تین برس میں ایک مہینہ اضافہ کر کے رفع کر دیا۔ لیکن اسلام نے جو تمام عالم کے لیے ہے اس لوند کے مہینے کو بڑھانے کی ممانعت فرمادی۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ اس امتناع کی فلاسفی آج جغرافی معلومات نے نہایت خوبصورتی سے بتلا دی ہے اور سال قمری سے ہر مسلمان کو خواہ وہ خواندہ ہو یا ناخواندہ ہندوستان کے سرسبز میدان میں ہو یا عرب اور صحرائے اعظم افریقہ کے لق و دق ریگستان میں ہلال دیکھ کر اپنے مہینے کا حساب لگانے کا طریقہ ایسا سہل بتلا دیا ہے کہ اس کو اس معاملہ میں نہ پنڈت جی سے پوچھنے کی ضرورت ہوتی ہے نہ جنتری کو الٹ پلٹ کرنے کی بلکہ اکثر اس کو جنتریوں کے مصنوعی حساب کے دعوے پر جو رویت ہلال سے متعلق ہوتے ہیں خندہ زنی کا موقع ملتا ہے۔ اب یہ دیکھنا باقی ہے کہ لوازمات زندگی میں سے جن کے لیے تعین اوقات کی ضرورت ہے، زراعت، تجارت اور

ملازمت کے علاوہ عبادت بھی ایک لازمۂ بشریت ہے جس کو ہر طبقہ اور ملت کے آدمیوں نے انسان کی پہلی ضرورت بتلایا ہے اور عبادت کے لیے ہر مذہب میں اوقات معین ہیں اور ان میں روزانہ بھی ہیں، سالانہ بھی۔ چناچہ سالانہ اوقات مقررہ میں سے دو اس درجہ کی عبادت ہیں جو ارکان اسلام میں داخل ہیں یعنی روزہ اور حج۔ روزے کے لیے ایک مہینہ مقرر ہے اور حج کے لیے بھی ایک دن خاص کر دیا گیا ہے۔ غالباً اس کے لیے یونیفارنٹی رہے یا کوئی اور مصلحت مالک حقیقی کے علم میں ہو۔ بہر حال تعین وقت کسی نہ کسی صورت ہر ایک دنیا کے مذہب اور طریق عبادت میں موجود ہے۔ پس جائے غور ہے کہ اگر ماہ صیام کے لیے بلحاظ سال شمسی ٹھنڈے اور چھوٹے دن مثلاً دسمبر یا جنوری منتخب کیے جاتے یا بہتر سے بہتر وہ مہینے لیے جاتے تو اسلام پر صاف یہ اعتراض وارد ہوتا کہ سہولت کے لیے کیا اچھے دن چھانٹے ہیں اور اگر اس لحاظ سے ہمیشہ کے لیے اپریل سے لیکر اگست تک کے کوئی تیس روز پسند کر لیے جاتے تو ان ایام کی ناقابل برداشت سختیوں سے کبھی نہ کبھی اہل مذہب کے دل میں یہ کھٹکا گزرتا کہ دینداری کیسی سخت اور مشکل کر دی گئی ہے کہ روزے کے ایام ہمیشہ کے لیے ایسے وقت میں کر دیئے ہیں کہ آسمان جلتا ہے اور زمین تپتی ہے غرض سال شمسی کے لحاظ سے حج اور ماہ صیام کا تقرر کبھی خالی از اعتراض نہیں ہو سکتا۔

لیکن یہاں تک جو وجوہ سالم قمری کی فوقیت کے ہیں وہ معلومات قدیم کی بناء پر ہیں۔ لیکن مجھے یہ دکھلانا ہے کہ جدید جغرافیائی معلومات نے اس مسّلہ پر کہاں تک روشنی ڈالی ہے۔ چناچہ اس علم کے ماہرین بخوبی واقف ہیں کہ خط استواء کے لحاظ سے زمین کی تقسیم نصف کرۂ شمالی اور نصف کرۂ جنوبی میں ہوتی ہے۔ اور چونکہ آفتاب چھ مہینے شمال میں اور چھ مہینے جنوب میں خط استواء کے رہتا ہے اس لیے دونوں کروں میں ایک ہی وقت میں موسم بر عکس رہتا ہے۔ یعنی اگر نصف کرۂ شمالی میں گرمی ہے تو جنوبی میں جاڑا گویا جون کا مہینہ یورپ ایشیا شمالی امریکہ شمالی افریقہ میں سخت گرمی کا ہوتا ہے تو جنوبی افریقہ جنوبی امریکہ اور آسٹریلیا میں کڑاکے کے جاڑے کا ہوتا ہے۔ اس لیے کہ ظاہر ہے کہ اگر سال شمسی کے حساب سے کوئی مہینہ مقرر ہوتا تو آدھی دنیا ہمیشہ تکلیف میں رہتی اور اور دوسری نصف آرام میں۔ کیونکہ موسم کے ساتھ طوالت لیل ونہار میں بھی تفادت ہے یعنی موسم گرما میں آباد حصہ دنیا میں 12 گھنٹے سے لیکر 20 گھنٹے تک کا دن ہوتا ہے اور برخلاف اس کے موسم سرما میں 12 گھنٹے سے لیکر 14 گھنٹے کا دن رہ جاتا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر جون کا مہینہ ماہ صیام ہوتا تو نصف کرہ شمالی کے باشندوں کو علاوہ تپش وحرارت اور تشنگی کی شدت برداشت کرنے کے چودہ اٹھارہ اور بیس گھنٹے تک کا روزہ رکھنا پڑتا اور کرۂ جنوبی میں باوجود سردی کے چھ یا آٹھ گھنٹے تک عیش ولذت دنیاوی ترک کرنا کافی ہوتا اور یہی ایک مسّلہ ثابت کر دیتا ہے کہ نعوذباللہ جس نے یہ قاعدہ قرار دیا ہے وہ خود کرۂ زمین کی ساخت اور اس پر موسموں کی کیفیات اور تغیرات سے ناواقف ہے اور وہ مذہب جس میں ایسا قاعدہ ہو کہ ایک لوکل یا مخص المقام مذہب ہے نہ کہ یونیورسل یعنی عالمگیر اس اشکال کو سال قمری ہی نے طے کیا ہے۔ اس کے مہینے چھتیس برس تک ہر شمسی موسم کے حصہ میں سے گزرتے ہیں اور اگر ایک زمانہ عبادت گرمیوں میں آتا ہے تو چند سال بعد خزاں میں اور پھر بہار میں۔ چناچہ ہر 36 سال کی مدت میں نصف کرۂ شمالی اور نیز جنوبی میں ماہ صیام ہر موسم کے حصے میں گزر کر ایک ایسی عدل کی صورت پیدا کرتا ہے جس سے صاف روشن ہے کہ دین اسلام جس ذات کے نزدیک دین حق ہے وہ ذات پاک ہے جس کو حکیم مطلق اور خداوند برحق کہتے ہیں۔ جو مالک ہر شے کا ہے اور جو تمام امور عالم سے بخوبی واقف ہے۔ اور ایسا اصول صرف اس حکیم وعلم کی آسمانی مدد سے قائم ہو سکتا ہے جو اس زمین کا پیدا کرنے والا اور صانع ہے ورنہ جس زمانہ میں دین اسلام چمکا اسوقت نہ جنوبی امریکہ معلوم تھی نہ ٹرنسوال اور آسٹریلیا کا وجود تھا نہ نصف کرۂ شمالی وجنوبی میں اختلافی موسم کی بحث درپیش تھی۔ علی ہذاالقیاس ایام حج بھی ایک موسم پر منحصر نہیں ہیں اور رفتہ رفتہ ہر موسم میں آتے رہنے سے حجاج کو ہر موسم میں سفر کرنے کا موقع مل سکتا ہے۔

پس وجوہات متذکرہ بالا سے ظاہر ہے کہ مسلمانان عالم کے لیے پورے دل کے ساتھ قمری ہی موزوں ہو سکتا ہے نہ کہ سال شمسی۔

مولانا اشرف علی تھانوی

دعا

لب پہ آتی ہے دعا بن کے تمنا میری
زندگی شمع کی صورت ہو خدایا میری

دور دنیا کا میرے دم سے اندھیرا ہو جائے
ہر جگہ میرے چمکنے سے اجالا ہو جائے

ہو میرے دم سے یوں ہی میرے وطن کی زینت
جس طرح پھول سے ہوتی ہے چمن کی زینت

زندگی ہو میری پروانے کی صورت یارب
علم کی شمع سے ہو مجھ کو محبت یارب

ہو میرا کام غریبوں کی حمایت کرنا
دردمندوں سے، ضعیفوں سے محبت کرنا

میرے اللہ! برائی سے بچانا مجھ کو
نیک جو راہ ہو، اس پہ چلانا مجھ کو

علامہ اقبال

مرسلہ: سمارا

حاصل تصوف

"وہ ذرا سی بات جو حاصل ہے تصوف کا، یہ ہے کہ جس طاعت میں سستی محسوس ہو، سستی کا مقابلہ کر کے اس طاعت کو کرے، اور جس گناہ کا تقاضا ہو، تقاضے کا مقابلہ کر کے اس گناہ سے بچے۔ جس کو یہ بات حاصل ہو گئی اس کو پھر کچھ بھی ضرورت نہیں کیونکہ یہی بات تعلق مع اللہ پیدا کرنے والی ہے اور یہی اس کی محافظ ہے اور یہی اس کو بڑھانے والی ہے"۔

(حضرت تھانوی رحمہ اللہ)

مرسلہ: بنت احمد۔

اردو ادب

اقبال اور اسرارِ خودی

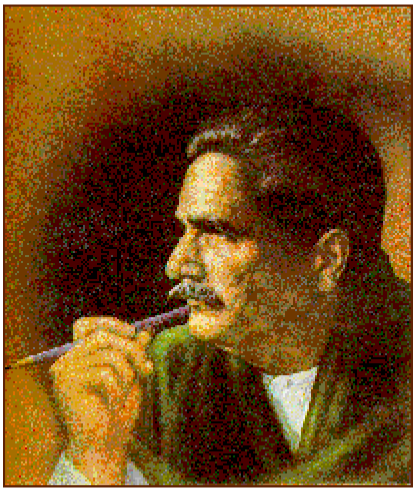

تحریر: ارمان فاروقی

اقبال کی مشہور آفاق مثنوی "اسرار خودی" کے مطالعے سے میرا مقصد یہ ہے کہ ہم اقبال کے کلام کی حقیقی روح سے آشنا اور آگاہ ہو سکیں اور اس دنیا میں دوبارہ سربلندی حاصل کر سکیں۔ اقبال نے اثبات و استحکام خودی کے سلسلہ میں چار دلچسپ حکایتیں بیان کی ہیں، جو درج ذیل ہیں۔

پیاسا پرندہ اور الماس

اقبال نے اسرار خودی مین اپنے مقصد، خودی کے استحکام کے لئے دو حکایتین بیان کی ہیں۔ پہلی حکایت ایک پرندہ کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں، ایک پرندہ پیاس کی شدّت سے بیتاب پانی کی تلاش میں سرگرداں تھا۔ اتفاق سے اس نے ایک باغ میں الماس کا ریزہ دیکھا۔ اس کی آب یعنی چمک سے دھوکا کھا کر اسے پانی کی بوند سمجھا اور اس پر چونچ ماری لیکن حلق تر نہیں ہوا۔ یہ صورت حال دیکھ کر الماس نے پرندہ سے کہا میں قطرہ آب نہیں ہوں بلکہ ریزہ الماس ہوں۔ میں پانی کی بوند نہیں کہ تیرے حلق میں چلا جاوں۔ میں تو اسقدر طاقتور ہوں کہ میری آب (یہاں آب کا مطلب الماس کی سختی ہے) پرندوں کی چونچیں توڑ دیتی ہے۔ تیری تو حقیقت ہی کیا ہے۔ اگر انسان بھی مجھے چبانے کی کوشش کرے تو اسے بھی اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑتا ہے۔ مجھ میں یہ قوّت اس لئے پیدا ہو گی کہ میں نے اپنی خودی کو مستحکم کر لیا ہے۔ یہ سن کر پرندہ دوبارہ پانی کی تلاش میں روانہ ہوا۔ اس نے ایک پتّہ پر ایک قطرہ شبنم دیکھا تو اس سے اپنی پیاس بجھائی۔ یہ حکایت بیان کرنے کے بعد علامہ اقبال مسلمانوں سے سوال کرتے ہیں کہ اۓ مسلمان تو جو دشمن پر غالب آنا چاہتا ہے، یہ بتا کہ تو قطرہ آب ہے یا الماس کا ریزہ؟ پانی ہے یا پتھر۔ اگر تو دشمن پر غالب آنا چاہتا ہے تو اپنی خودی کی حفاظت سے ایک لمحہ کے لئے بھی غافل مت ہو۔ ریزہ الماس بن۔ قطرہ شبنم مت بن۔ اقبال چاہتے ہیں کہ مسلمان اپنی خودی کی سیمابی کیفیت کو۔ اطاعت الٰہی اور ضبط نفس کے ذریعہ استحکام عطا کریں۔ اپنی خودی کو مستحکم کر کے دنیا اور آخرت میں کامیاب ہوں

حکائت الماس و زغال (الماس اور کوئلہ کی حکایت

خودی کے استحکام کے لئے اقبال نے دوسری حکایت الماس و زغال (الماس اور کوئلہ) کی بیان کی ہے۔ فرماتے ہیں۔۔۔

ایک دن کوئلہ نے الماس سے کہا کہ اصلیّت کے لحاظ سے ہم دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ (الماس اور کوئلہ کی کیمیائی تحلیل Chemical Analysis کی جائے تو دونوں کے عناصر ایک ہی ثابت ہونگے، یعنی کاربن۔) پھر کیا بات ہے کہ تو بادشاہوں کے تاج کی زینت بنتا ہے۔ اور میں بھٹی میں جل کر خاک ہو جاتا ہوں؟ تو اس قدر قیمتی ہے اور میری کوئی قدر و قیمت نہیں ہے؟

ہم دمیم و ہست و بود ما یکے است؛ در جہاں اصل وجود ما یکے است

من بکاں میرم ز درد ناکسی؛ تو سر تاج شہنشاہاں رسی

قدر من از بدگلی کمتر ز خاک؛ از جمال تو دل آئنہ چاک

الماس نے جواب دیا کہ اے میرے دوست میرے ہمدم! مجھ میں پختگی، سختی اور صلابت ہے اور ان ہی صفات و خواص کی بناء پر دنیا میں میری قدر و قیمت ہے۔ یہ سچ ہے کہ اصل وجود کے اعتبار سے مجھے تجھ پر کوئی برتری حاصل نہیں ہے لیکن میں نے اپنی خودی کو مستحکم کر لیا ہے اسی لئے "نور دیدہء قیصر" اور "زیب دستہء خنجر" بن گیا ہوں۔ تو نے اپنی خودی کو مستحکم نہیں کیا اس لئے دنیا میں تیری کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ اگر تو اس ذلّت و خواری سے نجات چاہتا ہے تو اپنی خودی کو میری طرح مضبوط بنا لے۔ یعنی تو بھی الماس بن جا۔ چونکہ تیری خودی خام ہے اس لئے تو ذلیل و خوار ہے۔ چونکہ تو نازک اندام ہے اسی لئے لوگ تجھے انگیٹھی میں جلاتے ہیں۔ یاد رکھ اس دنیا میں جو شخص مستحکم، سخت کوش و سخت گیر ہوتا ہے اس کی ذات سے دونوں جہاں کو فائدہ ہوتا ہے۔

می شود از دے دو عالم مستنیر؛ ہر کہ باشد سخت کوش و سخت گیر

دیکھ لے سنگ اسود ایک پتھر ہے لیکن چونکہ سخت ہے اس لیے اس کا رتبہ بہت بڑھا ہوا ہے۔ ساری دنیا کے مسلمان اسے بوسہ دیتے ہیں

مشت خاک اصل سنگ اسود است؛ بوسہ گاہ اسود و احمر شد است۔

آخری شعر میں اقبال نے پوری نظم بلکہ پوری کتاب کا خلاصہ بیان کر دیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ زندگی کی عزّت و آبرو وصلابت و سختی ہے۔ ناپختگی انسان کی ذلّت کا باعث بنتی ہے۔

در صلابت آبروئے زندگی است؛ ناتوانی، ناکسی، ناپختگی است۔

مرو سے چل کر حضرت سید علی ہجویری کی خدمت میں حاضر ہونے والے نوجوان کی داستان

استحکام خودی کے سلسلے میں اقبال ایک نوجوان کی داستان بھی بیان کرتے ہیں جو مرو سے چل کر حضرت سید علی ہجویری (داتا گنج بخش) کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ مرو وادیٔ مرغاب ترکستان میں واقع ہے جسے سکندر اعظم نے آباد کیا تھا۔ مسلمانوں کے عروج کے دور میں یہ شہر خراسان میں شامل تھا لیکن جب ازبکوں نے اسے فتح کیا تباہ کر دیا تھا۔ آج تک اسے گزشتہ عظمت نصیب نہ ہو سکی۔ حضرت سید علی ھجویر میں پیدا ہوے۔ تعلیم سے فراغت کے بعد تبلیغ و اشاعت اسلام کے لئے لاہور تشریف لائے۔ حضرت کی کوششوں سے ہزاروں غیر مسلموں نے اسلام قبول کیا۔ آپ کا معمول تھا کہ صبح کو قرآن مجید کا درس دیتے۔ دوپہر کو مبلغین اسلام کو تربیت دیتے اور رات کو نماز مغرب کے بعد بھاٹی دروازہ کے باہر کھلے میدان میں اپنے وعظ کے ذریعہ غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت دیتے۔ 1072ء میں اپنے خالق جا ملے۔

اقبال کہتے ہیں کہ ایک دن ایک نوجوان مرو سے چل کر حضرت ہجویری کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں دشمنوں مین گھر گیا ہوں۔ ان حالات میں مجھے زندگی بسر کرنے کا طریقہ سکھائے۔ حضرت نے فرمایا کہ دشمنوں کا خوف اپنے دل سے بالکل نکال دو۔ اور تم میں جو قوتیں سو رہی ہیں ان کو بیدار کرو۔ یعنی اپنی خودی کو مستحکم کرلو۔ اگر تم اپنے آپ کو کمزور ناتواں اور ضعیف سمجھو گے تو رفتہ رفتہ ایسے ہی ہو جاوگے۔ تم اپنے آپ کو کمزور مت سمجھو، جو رہرو اپنے آپ کو کمزور سمجھتا ہے تو قانون قدرت یہ ہے کہ اس کے دل سے مدافعت اور مقابلہ کی طاقت ختم ہو جاتی ہے اور رہزن بہ آسانی اسے مغلوب کر لیتا ہے۔ اپنے آپ کو پانی اور مٹّی کا مرکب مت سمجھو۔ تمہارے اندر شعلہ طور پوشیدہ ہے۔ اسکو نمایاں کرو۔ تاکہ ایک دنیا تمہارے سامنے سر بہ سجود ہو جائے۔ تم دشمن کو دشمن سمجھتے ہو، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ

راست می گویم عدو ہم یار تست
ہستیٔ او رونق بازار تست

یعنی؛ سچ کہتا ہوں کہ دشمن بھی در اصل تمہارا دوست ہے۔ کیونکہ اسکی بدولت تمہاری پوشیدہ قوتیں بروئے کار آسکتی ہیں۔ اگر دشمن نہ ہوتا تو ممکنات زندگی یعنی تمہاری فطری صلاحیتوں کے اظہار کی کوئی صورت نہ ہوتی۔ اس لئے کہ

کشت انسا را عدو باشد سحاب

یعنی، فصل انساں کے لئے دشمن ابر یا بادل کے مانند ہے۔ نوجوان! اگر تم ہمت سے کام لو تو راسہ کا پتّھر پانی کی طرح تمہارے سامنے سے ہٹ جائگا۔ یاد رکھو، کھانا پینا اور سونا، یہ تو حیوانوں کی زندگی ہے نہ کہ انسان کی۔ جس انسان کی خودی محکم اور مستحکم نہ ہو اسکا ہونا یا نہ ہونا دونوں برابر ہیں۔ اگر تم اپنی خودی کو مستحکم کرلوگے تو دشمنوں کی حقیقت ہی کیا ہے، تم ساری دنیا کا مقابلہ کرسکتے ہو اور اللہ کے فضل سے کامیاب ہوسکتے ہو۔ اگر تم اپنی خودی کی حفاظت سے غافل ہو جاوگے تو انجام کار فنا ہو جاوگے۔ اگر تم بقاء یعنی ابدی زندگیکے آرزومند ہو تو اپنی خودی کو مستحکم کرلو۔ یاد رکھو موت ایک عالمگیر حقیقت ہے۔ یہ جسم سے جان کے نکل جانے کا نام نہیں جیسا کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے۔ موت در اصل خودی کی تربیت سے غافل ہونے کا نام ہے۔ اگر تم حضرت یوسف کی طرح اپنی خودی کو مستحکم کرلوگے تو غلامی سے بادشاہی کے مرتبہ کو پہنچ سکتے ہو۔ یہ نصیحت جو حضرت ہجویری نے ہزار برس پہلے مرو کے نوجوان کو کی تھی اقبال آج قوم کے نوجوانوں کو دے رہے ہیں۔ مگر فرق دیکھئے، مرو کا نوجوان حضرت کی طرف متوجہ تھا اور نصیحت کو گرہ میں باندھ رہا تھا۔ اور آج ہم۔۔۔۔

حکایت شیخ و برہمن

خودی اور استحکام خودی کے سلسلے میں اقبال نے دو حکائتیں اور بیان کی ہیں۔ پہلے شیخ و برہمن کی اور دوسری میں گنگا اور ہمالہ کا مکالمہ قلمبند کیا ہے۔ ان حکائتوں سے یہ بتانا مقصود ہے کہ عسکری زندگی کا سلسلہ اس وقت برقرار رہ سکتا ہے جبکہ انسان اپنی قومی روایات پر سختی کے ساتھ کاربند رہے۔ ہر مسلمان کا یہ فرض ہے کہ اپنی ملّی روایات کی حفاظت کرے اور حفاظت کی صورت یہ ہے کہ ان پر استواری کے ساتھ کاربند رہے۔

فرماتے ہیں کہ بنارس میں ایک برہمن ہمیشہ فلسفیانہ مسائل میں الجھا رہتا تھا۔ خدا رسیدہ بزرگوں سے بہت عقیدت رکھتا تھا۔ گو عقل و فہم میں اس کا مرتبہ بہت بلند تھا لیکن وہ حیات اور موت کے مسائل کا کوئی تسلّی بخش حل دریافت نہ کرسکا۔ اس لئے مجبور ہو کر ایک شیخ کامل کی خدمت مین حاضر ہوا تاکہ ان کی صحبت سے مستفید ہو۔ شیخ کامل تھے۔ انہوں نے برہمن کو نصیحت کی کہ تو فلسفیانہ مسائل میں الجھا ہوا ہے، یعنی عقل کی مدد سے یہ معلوم کرنا چاہتا ہے کہ خدا موجود ہے یا نہیں اگر ہے تو اسکی حقیقت کیا ہے، یہ کائنات کیونکر پیدا ہوی اگر پیدا نہیں ہوی تو خدا سے اسکا کیا تعلق ہے۔ انسان کی حقیقت کیا ہے۔ اسکی تخلیق کس غرض سے کی گئی ہے۔ یاد رکھ کوئی انسان اپنی ناقص عقل کی مدد سے ان سوالات کے جواب نہیں دے سکتا۔ اس لئے میں تجھے یہ نصیحت کرتا ہون کہ ان سوالات میں منہمک رہنے کی بجاے اپنی خودی سے واقف ہو اور اسکو مستحکم کرنے کی کوشش کر۔ اگر کسی شخص کی خودی ضعیف و کمزور ہو تو وہ منطق، فلسفہ، کلام، شاعری، مصوری، موسیقی غرض کسی علم یا فن سے کوئی فائدہ حاصل نہیں کر سکتا۔

میں تجھ سے یہ نہیں کہتا کہ تو کفر ترک کر کے اسلام اختیار کرلے۔ اگر تجھے بت پرستی میں راحت ملتی ہے تو توشوق سے بت پرستی کر لیکن اس میں ایسے خلوص قلب کا مظاہرہ کر کہ لوگ مثال دیں۔ بت پرستی کے تمام شعائر اور روایات کی پابندی کر۔ یعنی اس میں کمال حاصل کرلے۔ اے برہمن تو بھی ایک پرانی تہذیب کا علمبردار ہے۔ اس لئے اگر تو دنیا میں عزّت کی زندگی گزارنا چاہتا ہے تو اپنے آباء کے مسلک کو پیٹھ نہ دکھا۔ اگر حیات ملّی جمعیت پر موقوف ہے تو کفر بھی اجتماعیت رکھتا ہے۔ اگر تو کفر میں بھی کمال حاصل نہ کرسکے تو تجھ میں قیامت تک یہ صلاحیت پیدا نہیں ہوسکتی کہ تو کائنات کی حقیقتوں سے آگاہ ہو سکے۔ اس کے بعد شیخ نے کہا کہ آج حال یہ ہے کہ نہ مسلمان اپنے بزرگوں (حضرت ابراہیم علیہ سلام) کی اتباع کررہے ہیں اور نہ کافر اپنے پیشواوں (آزر) کی تقلید میں سرگرم ہیں۔ دونوں اپنی اپنی ملّی روایات سے بیگانہ ہوچکے ہیں۔

اب چوتھی حکایت پیش ہے جو در اصل گنگا اور ہمالہ کے درمیان مکالمہ ہے۔

حکایت یوں ہے کہ ایک دن دریائے گنگا نے کوہ ہمالہ سے کہا کہ اس میں تو کوئی شک نہیں کہ تو بہت بلند ہے، اس قدر بلند کہ تیری چوٹیاں آسمان سے باتیں کرتی ہیں۔ لیکن جب تجھ میں طاقت رفتار نہیں تو یہ رفعت و تمکنت، یہ بلندی اور وقار کس کام کا۔

جب کوہ ہمالہ نے یہ طعنہ سنا تو اس نے کہا کہ اے گنگا! تو اپنے خرام ناز کو، اپنی رفتار کو قابل فخر سمجھتی ہے۔ یہ سراسر تیری نادانی اور کم علمی کی دلیل ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ع

این خرام ناز سامان فناست
ہر کہ از خود رفت شایان فناست

یعنی جو بھی اپنی ہستی کو مستحکم نہیں کرے گا وہ ضرور فنا ہو جائگا۔ اب تو خود اپنی حالت پر غور کر!! چونکہ تجھ کو ثبات و استحکام حاصل نہیں ہے اس لئے

ہستئ خود نذر قلزم ساختی
پیش رہزن نقد جاں انداختی

یعنی چونکہ تجھ میں ثبات و استحکام نہیں ہے اس لئے تو اپنی ہستی کو خود بصد شوق قلزم (سمندر) کے حوالے کر دیتی ہے۔ گویا اپنا نقد جاں خود رہزن کے سپرد کر دیتی ہے۔

ائے گنگا! اس نکتہ کو یاد رکھ کہ زندگی استحکام و ثبات کا نام ہے۔ ائے ذرّہ! اپنی ہستی کا میری ہستی سے موازنہ نہ کر۔ تو ہر دم فنا کے گھاٹ اترتی رہتی ہے اور میں حوادث روز گار سے بالاتر اور محفوظ ہوں۔ میں جیسا ہزاروں سال پہلے تھا آج بھی ویسا ہی ہوں۔ صرف اس لئے کہ میں نے اپنی خودی کو مستحکم کر لیا ہے اور خودی کے استحکام سے شان دوام پیدا ہو جاتی ہے۔

---اختتام---

ہزار خوف ھو لیکن زبان ھو دل کی رفیق
یہی رھا ھے ازل سے قلندروں کا طریق
علاجِ ضعفِ یقین اُن سے ھو نہیں سکتا
غریب اگرچہ ھیں رازی کے نکتۂ ہائے دقیق
اُسی طلسمِ کہن میں اسیر ھے آدم
بغل میں اسکی ھیں ابتک بتانِ عہدِ عتیق
مرے لیے تو ھے اقرار باللسان بھی بہت
ہزار شکر کہ ملاّ ھیں صاحبِ تصدیق
اگر ھو عشق تو ھے کفر بھی مسلمانی
نہ ھو تو مردِ مسلمان بھی کافر و زندیق

علامہ محمد اقبال

مرسلہ: سمارا

جادو ٹونہ۔۔۔ایک اہم معاشرتی مسئلہ

پہلا حصہ

تحریر: ہ۔د

تجسس انسان کو ہمیشہ انہونی اور ہونی کے چکر میں ڈالے رکھتا ہے۔ اپنی تجسس کی جبلت کو مطمئن رکھنے کیلئے انسان کبھی تو الف لیلٰی جیسے قصوں کا سہارا لیتا ہے تو کبھی طلسم ہوشربا جیسی کہانیوں کو پڑھتا ہے۔ ہر دور میں ہر ادب میں پراسرار اور جادو ٹونے پر مبنی واقعات پر لکھی کتابوں کی اہمیت رہی ہے۔ اردو ادب بھی اس میں کبھی پیچھے نہیں رہا۔ اردو کے اکثر مشہور ماہانہ اور ہفت روزہ رسالوں میں ایسے ماہانہ وار سلسلے پڑھنے کو ملتے رہے ہیں جو ایسے قارئین کیلئے بصد خاص لکھے جاتے ہیں جو جادو ٹونوں پر مبنی کہانیوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ جہاں یہ

کہانیاں کچھ لوگوں کی طبع کی تسکین کا باعث ہوتی ہیں وہیں ان میں انہونی کو جاننے کا شوق بھی پیدا کر دیتی ہیں۔ اگر طبیعت میں منفیت کا رجحان ہو تو ایسے لوگ بہت جلد ان کہانیوں کا اثر قبول کر لیتے ہیں اور اس پراسرار علم کو جاننے کے چکر میں دین اور دنیا دونوں گنوا بیٹھتے ہیں۔۔۔

ایسے گھرانے جہاں مرد حضرات پڑھے لکھے ہوں یا گھر سے باہر زیادہ وقت گزارتے ہوں، اور خواتین پڑھی لکھی نہ ہوں تو وہ آسانی سے اس چکر میں اکثر پڑ جاتی ہیں۔ مگر یہ کچھ ایسا ضروری بھی نہیں۔۔۔۔ آجکل پڑھی لکھی خواتین اور حضرات بھی اسی چکر میں الجھے نظر آتے ہیں۔۔۔۔۔ سیاست سے لیکر شوہر کو قابو کرنے سے لیکر باس کو شیشے میں اتارنے سے لیکر بچوں کی تعلیم اور شادیوں تک، آبادی کا ایک بہت بڑا حصہ اس کام میں الجھا ہوا ہے۔۔۔۔۔ کچھ لوگ اس کے کرنے میں الجھے ہوئے ہیں تو کچھ اس کا توڑ کرنے کے چکر میں اپنی زندگی ضائع کر رہے ہیں۔۔۔۔۔ غرض یہ کہ نماز روزے کی پابندی کے ساتھ ساتھ یہ کام بھی چل رہا ہے۔۔۔۔۔ لوگ اس کے مضمرات جانتے ہیں، اسے گناہ سمجھتے ہیں مگر پھر بھی اس کے چکر میں پڑ جاتے ہیں۔ اکثر اس چکر میں پڑنے والے لوگ سمجھتے ہیں کہ بس ایک بار کام ہو جائے تو پھر اس سے تائب ہو جائیں گے مگر یہ ایک ایسا چکر ہے جس میں پھنسنے والے زندگی کے آخری دم تک اسی چکر میں پڑے رہتے ہیں۔۔۔۔۔۔ زندگی ختم ہو جاتی ہے مگر جادو اور اس کا توڑ کروانے کا سلسلہ ختم نہیں ہوتا۔

بہت سے لوگ یہ بھی سمجھتے ہیں کہ جادو کا توڑ جادو سے ہے اور جادو سے تقدیر بدل جاتی ہے۔۔۔۔۔ جب ایسے لوگوں کے

کسی پیارے کو تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اس کا علاج جادو ٹونے سے کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔۔۔ یہ خاص کر شادی بیاہ کے معاملے اور میاں بیوی کی ناچاقی کے سلسلے میں دیکھنے میں آتا ہے۔۔۔ اگر بیٹی کی شادی طے نہ ہو رہی ہو تو فوراً کہا جاتا ہے کہ کسی نے رشتہ باندھ دیا ہے۔۔۔ اگر شادی ہو جائے اور اس کے بعد میاں بیوی میں ان بن ہو جائے تو اسے بھی سسرال والوں یا دشمنوں کے کیے جادو کا مرہون سمجھا جاتا ہے۔۔۔ اسی طرح بیٹے کا نہ ہونا یا اولاد کا نہ ہونا یا ہو کر مر جانا، رشتہ نہ ہونا یا ہو کر ٹوٹ جانا، کاروبار میں ناکامی یا نوکری میں ناکامی۔۔۔۔۔ بہت سے لوگ جادو کو اس سب کا الزام دیکر بری ہو جاتے

ہیں۔۔۔ اپنی غلطیوں پر نظر کرنے کی بجائے یا پھر اسے تقدیر کا لکھا سمجھنے کی بجائے اسے دشمنوں کی چال سمجھتے ہیں۔۔۔ ایک بار بے یقینی کا بیج مایوسی کی زمین میں پڑ جانے کی دیر ہوتی ہو، پھر شک و شبہے کے پودے جلد ہی تناور درخت بن جاتے ہیں بلکہ آکاس بیل کی طرح سوچ اور عمل کو اپنی گرفت میں لے لیتے ہیں۔۔۔ المیہ یہ ہے کہ ہمارے معاشرے میں اس درخت کی آبیاری کرنے والے بہت لوگ ہیں۔۔۔ گلی

محلے اور بستیوں میں رہنے والے عام لوگوں سے لیکر کوٹھیوں میں رہنے والے یونیورسٹیوں سے پڑھے ہوئے لوگ بھی اس چنگل میں آسانی سے پھنس جاتے ہیں۔

ہمارے جیسا معاشرہ جہاں جہاں دین تو ہے مگر اس کی سمجھ بوجھ نہیں، جہاں رشتوں کو صحیح مقام نہیں دیا جاتا اور اکثر تعلق حرص، طمع، اور لالچ کے ہوتے ہیں، اور جہاں ذاتی ناپسند کو عناد اور دشمنی کی آخری حد تک لیجایا جاتا ہے، وہاں جادو جیسے قبیح فعل کا عام ہو جانا کوئی ایسی انہونی بات نہیں۔۔۔ ایک ایسا معاشرہ جہاں خواتین کے پاس وافر وقت ہے، ایک ایسا ماحول جہاں مرد اپنے فرائض سے روگرادنی کرتے ہیں، ایک ایسا ملک جو بنا تو اسلام کے نام پر مگر طرز معاشرت اور رسوم و رواج ابھی بھی ہندوانہ ہیں۔۔۔ جہاں گھر میں بھی حقدار کو حق نہ ملے، جہاں رشتوں کے ٹوٹنے جڑنے کو تقدیر کی بجائے لوگوں کی پسند ناپسند سے جوڑا جائے، جہاں والدین اور میاں بیوی کے تعلق کے درمیان لطیف فرق نہ سمجھا جائے، جہاں بہن بھائی اور اولاد کے حقوق میں تفریق نہ ہو سکے، جہاں مسائل کو مسائل نہ سمجھا جائے، جہاں ذہنی اعوارض کا علاج نہ کیا جائے، وہاں لوگ ایسے شارٹ کٹ ڈھونڈتے رہیں گے اور غیر اللہ سے کسی ڈر اور خوف کے بغیر مدد مانگتے رہیں گے۔

یہاں کچھ واقعات آپ کے سامنے پیش کیے جائیں گے جو کے مختلف ذرائع سے اکٹھے کیے گئے ہیں۔ ان میں سے اکثر واقعات کا کتابی قسم کا اختتام نہیں ہے۔ یہ واقعات صرف انسانی نفسیات کو سمجھنے کے لئے آپ کے سامنے بیان کیے جا رہے ہیں۔ ان سے نتیجہ آپ اپنی مرضی سے اخذ کر سکتے ہیں۔ ایسے بہت سے واقعات آپ کے سامنے بھی پیش آئے ہوں گے اور یا تو آپ نے ان واقعات کو نظر انداز کر دیا ہو گا یا پھر ان کے زیر اثر آ گئے ہوں گے۔ یہاں ان واقعات کو پیش کرنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ آپ غور کریں کہ جب اللہ توکل کی کمی ہو تو انسانی بے بسی کیسے اس پر حاوی ہو جاتی ہے۔۔۔ ایسے میں انسان مختلف حیلے بہانوں سے غیر اللہ سے مدد مانگنے کی کوشش کرتا ہے اور اپنے ضمیر کو مطمئن کرنے کے لئے عذر بھی ڈھونڈ لیتا ہے اور اسی چکر میں دین، ایمان اور سالوں کی عبادتوں اور ریاضتوں کو نفسانی خواہشوں کے پیچھے ضائع کر دیتا ہے اور بدلے میں گناہ کبیرہ نامہ اعمال میں شامل کر لیتا ہے۔

جاری ہے۔

سمندر میں رات کا سفر باطنی سکون دیتا ہے۔۔۔ صحرا میں ستاروں کی تنویر میں سفر روحانی بالیدگی عطا کرتا ہے۔

پہاڑوں کے سفر، مزاج میں صفراویت، طبیعت میں تندی اور قویٰ میں قوت پیدا کرتے ہیں۔۔۔ میدانی سفر، آسودگی، آسانی اور عجلت کا میلان پیدا کرتے ہیں جبکہ فضائی سفر، وسعت خیالی، دیدہ وری اور فکر میں آفاقیت پیدا کرنے کے حامل ہوتے ہیں۔ جنگلوں کے اندرون سفر طبع میں تحمل، تجسس، الجھن اور فطرت سے دلچسپی پیدا کرنے کے مؤجب ہوتے ہیں۔۔۔ برف زاروں کے سفر، بردباری، متھار، برداشت اور عبادت کا ذوق پیدا کرتے ہیں۔ ان کے علاوہ بھی چند ایک اسفار ہیں۔۔۔ زمین اور سمندر کے اندر، نیچے کے سفر۔۔۔ کانیں، کنویں، باولیاں، سرنگیں، غاریں۔۔۔ کچھ اور اندر کے بطونی، وجدانی، کیفیاتی، مراقبی سفر اور کہیں ایسے بھی جو سوچوں، خیالوں، فکروں، اندیشوں کی مسافتوں سے معمور ہوتے ہیں۔

کاجل کوٹھا از بابا محمد یحییٰ خان سے اقتباس

(مرسلہ: سمارا)۔

چاند، ستارے اور ابن انشاء۔

واہ واہ کیا سہانا منظر ہے۔ ستارے یہاں سے وہاں تک چھٹکے ہوئے ہیں ان کی کثرت سے گمان ہوتا ہے۔ جیسے میٹرک کا رزلٹ شائع ہوا ہے۔ ادھر ایک ہلال بھی جگمگا رہا ہے۔ آسمان کی رونق بڑھا رہا ہے۔

ستارے چمکتے دمکتے بہت بھلے معلوم ہوتے ہیں لیکن کبھی کبھی ٹوٹ کر گر بھی جاتے ہیں۔ جب یہ مٹی میں مل جائے تو کوئی نہیں پوچھتا۔ وہی ستارے جو دوسروں کی تقدیر کی خبر دیا کرتے ہیں۔ بلکہ لوگوں کی قسمت بنایا بگاڑا کرتے ہیں، کبھی کبھی خود دوسروں سے اپنی قسمت کا حال بجھواتے جنتریاں کھلواتے نظر آتے ہیں۔ ہلال کا بھی ایسا احوال ہے۔ جب تک آسمان پر ہے۔ بس ہے آنکھ او جھل، پہاڑ او جھل، ستارے اور ہلال اچھے ہیں لیکن عزت کی غریبانہ زندگی ان سے بہتر ہے۔

ہلال یعنی نئے چاند کو پرانے لوگ دور ہی سے دیکھا کرتے تھے اور سلام کیا کرتے تھے۔ وہ بھی عید بقر عید پر۔ اس زمانے میں یہ چپ چاپ ہی نکل آتا تھا پھر ایسا دور آیا کہ لوگوں نے کھدیڑ کر نکالنا شروع کر دیا۔ بلکہ آپس میں لڑتے تھے کہ کون نکالے۔ چاند کے لئے بھی بڑی مشکل ہوتی تھی کہ سرکار کا کہا مانے یا لوگوں کا۔

عید کا پیغام لانے کے علاوہ چاند کا کوئی خاص مصرف نہ تھا۔ بس شاعر وغیرہ اس سے بات کر لیتے تھے یا پھر ان بستیوں میں جہاں بجلی نہیں یہ لالٹین کا کام دیتا تھا۔ کچھ عرصہ ہوا ولایت والوں کو اس کے پیلے رنگ سے خیال ہوا کہ یہ سونے کا بنا ہوا ہے آخر اڑ کر جا پہنچے اور کالی کالی مٹی کی بوریاں بھر لائے اور یہاں لا کر معلوم ہوا کہ ایسی مٹی بلکہ اس سے اچھی مٹی تو یہاں بھی ڈھیروں ہے بہت پچھتائے۔

ابن انشاء کے مضمون ستارے اور ہلال سے اقتباس۔

مرسلہ: مون

بنیاد پرست

نویں قسط

ترجمہ: ندیم اختر

پوچھتے ہو کہ کیا یہ ہمیں چھری کانٹے فراہم نہیں کریں گے؟ اگر ان سے کہا جائے تو ضرور کر دیں گے، لیکن میری مانو تو بہتر ہے کہ یہ کھانا اپنے ہاتھوں سے کھا کر دیکھو۔ اب جبکہ ہم کئی گھنٹوں سے ایک دوسرے کے ساتھ ہیں، تمہیں میری موجودگی میں تکلفات میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ایک تو یہ کہ اپنے شکار کو چھونے میں بڑی لذت ہے، ساتھ ساتھ صدیوں کی تحقیق سے ثابت ہو چکا ہے کہ کھانے پینے میں کھلے ہاتھوں کا استعمال ذائقے کے ساتھ ساتھ اشتہا کو بھی بڑھاتا ہے! یقیناً تمہیں مزید دلائل کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ تمہاری انگلیاں اس کباب کے ساتھ ضروری کاروائی شروع کر چکی ہیں۔

امریکا سے یہاں آنے والوں کو کچھ چیزیں بدلنی پڑتی ہیں؛ جیسے اپنا مشاہدہ کرنے کا طریقہ۔ مجھے خود اپنا ہر شے کو پرکھنے کا امریکی انداز یاد ہے جب میں ایسے ماحول میں لاہور واپس پہنچا کہ جنگ کے بادل سروں پر منڈلا رہے تھے۔ سب سے پہلے مجھے اپنے گھر کی خستگی کا احساس ہوا جس کی چھت میں دراڑیں پڑ چکی تھیں اور سیلن کے باعث جگہ جگہ دیواروں سے رنگ اکھڑا ہوا تھا۔ اس شام بجلی نہیں تھی اور گیس لائٹس کی مدھم روشنی میں بھی فرنیچر کی خستگی واضح تھی۔ مجھے ان چیزوں کی حالت پر افسوس ہوا۔ بلکہ صرف افسوس نہیں، مجھے شرمندگی محسوس ہوئی۔ یہ وہ جگہ تھی جہاں سے میرا تعلق تھا، یہاں میں پلا بڑھا تھا اور اس سب کا حال کتنا برا تھا۔

لیکن جب رفتہ رفتہ میں پھر سے اس ماحول کا عادی ہونے لگا تو مجھے اندازہ ہوا کہ میری عدم موجودگی میں گھر میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ دراصل تبدیلی مجھ میں آئی تھی: میں ہر چیز کو ایک غیر ملکی کی نگاہ سے دیکھ رہا تھا، ایک خاص امریکی نگاہ سے جس میں اپنی برتری کے ساتھ ساتھ دوسروں کو رعایت نہ دینے کا تاثر غالب ہوتا ہے۔ یہ تمہارے ملک کی اشرافیہ کا اندازِ نگاہ تھا جس سے وہاں پڑھنے اور پھر کام کرنے کے دوران واسطہ پڑنے پر مجھے سخت چڑ ہوتی تھی۔ یہ جان کر مجھے بے حد غصہ آیا اور میں نے خود پر حاوی اس ناپسندیدہ احساسِ برتری کو شعوری کوشش کر کے خود پر سے جھٹک دیا۔

اُس کے بعد ہی میں اپنے گھر کو، اس کی وسعت، ساخت کی انفرادیت اور آرائش کی دلکشی کو دوبارہ ٹھیک سے دیکھنے اور سراہنے کے قابل ہو سکا۔ اس کے استقبالی کمرے مغل انداز کے فن پاروں اور دبیز قالینوں سے سجے تھے اور برآمدے کی حدود میں ایک شاندار لائبریری تھی۔ میرا گھر کہیں سے بھی غربت کا نمونہ نہ تھا بلکہ ایک خاص طرح کی تاریخی امارت کا آئینہ دار تھا۔ مجھے حیرت ہوئی کہ آخر میں اس قدر بے رحم ۔۔۔ اور کوتاہ نظر ۔۔۔ کیسے ہو گیا تھا کہ کسی اور انداز میں دیکھنے اور سوچنے لگا تھا۔ حیرت کے ساتھ ساتھ اس سے اپنے متعلق جو رائے قائم ہوئی وہ بھی اچھی نہیں تھی: یہ کہ میں ایک کمزور شخصیت کا مالک فرد تھا جو آسانی سے اور بہت مختصر وقت میں دوسروں کا اثر قبول کر لیتا تھا۔

لیکن میری اندرونی شکست و ریخت سے کہیں زیادہ اہم وہ بیرونی خطرہ تھا جس کا میرے وطن کو سامنا تھا۔ بھائی مجھے ایئرپورٹ پر لینے آیا تھا: اس نے مجھے گلے لگا کر اتنی زور سے بھینچا کہ میری پسلیاں چیخ کر رہ گئیں۔ گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے اس نے کسی بات پر میرے بالوں پر پیار سے ہاتھ پھیر کر انہیں بکھیر دیا۔ میں نے اچانک خود کو بہت کم عمر محسوس کرنا شروع کر دیا، یا شاید اپنی اصلی عمر کے مطابق محسوس کرنے لگا جو صرف بائیس سال تھی۔ جبکہ امریکا میں اکیلے رہتے ہوئے، اپنی مدد آپ کے تحت روز سوٹ پہن کر کام کے لیے نکلتے ہوئے مجھ پر ایک مستقل ادھیڑ عمری سی طاری ہو گئی تھی۔ بہت عرصے سے کسی نے اس بے تکلفی اور آسانی سے مجھے نہیں چھوا تھا۔ "یہاں سب کچھ کیسا ہے؟" میں نے بھائی سے مسکرا کر پوچھا۔ اس نے سر جھٹکا۔ "جنگ کا خدشہ بہت واضح ہے اور دونوں طرف سے تیاریاں زوروں پر ہیں۔ لہذا یہ نہیں کہا جا سکتا کہ سب ٹھیک ہے۔"

میرے والدین ٹھیک ٹھاک تھے، پچھلے سال جب میں نے انہیں دیکھا تھا تب کہ مقابلے میں وہ نسبتاً کمزور لگ رہے تھے لیکن اس عمر میں یہ کوئی انہونی بات نہیں تھی۔ امی نے سو کا نوٹ میرے سر کے گرد گھمایا جسے بعد میں صدقہ ہو جانا تھا۔ ابو کی آنکھیں بھوری، چمکدار اور قدرے نم لگ رہی تھیں۔ "کانٹیکٹ لینسز۔" انہوں نے آنکھوں کو رومال سے آہستگی سے رگڑتے ہوئے بتایا۔ "کیسے لگ رہے ہیں؟" میں نے کہا کہ وہ ان پر بہت سوٹ کر رہے ہیں جو کہ وہ کر بھی رہے تھے۔ انہیں خاصی عمر میں جا کر چشمہ لگا تھا جس نے ان کی وجاہت کو قدرے ماند کر دیا تھا۔ امی ابو میں سے کوئی بھی جنگ کے متعلق بات نہیں کرنا چاہتا تھا؛ اس کی بجائے وہ مجھے زیادہ سے زیادہ کھلانے پلانے اور میری نیویارک کی زندگی اور نئی نوکری کی تفصیلات جاننے میں دلچسپی رکھتے تھے۔ مجھے گھر آ کر وہاں کے بارے میں بات کرتے عجیب سا لگ رہا تھا، اتنا ہی عجیب جتنا کسی مسجد میں گانے گانا ہو سکتا ہے؛ ایک جگہ جو باتیں انتہائی فطری لگتی ہیں، دوسرے مقام پر انہیں بالکل غیر فطری سمجھا جا سکتا ہے، اسلئے میں نے ایریکا کے تذکرے سمیت کئی ایسی باتیں نہیں بتائیں جو میرے خیال سے ان کے لیے پریشانی کا باعث ہو سکتی تھیں۔

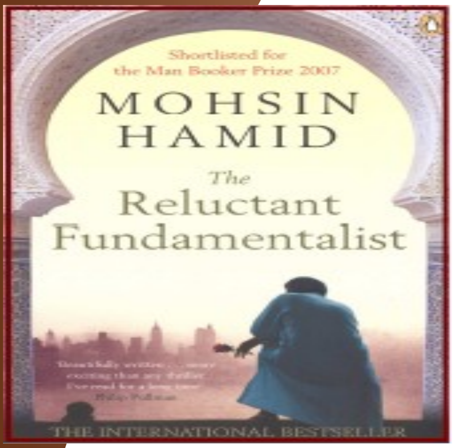

لیکن اسی رات میری واپسی کی خوشی میں ہمارے گھر جو دعوت منعقد کی گئی، اس میں زیادہ تر گفتگو انڈیا کے ساتھ تنازعے کے بارے میں ہوتی رہی۔ اس ضمن میں لوگوں کے خیالات میں فرق تھا کہ انڈین پارلیمنٹ پر حملہ کرنے والوں کا پاکستان سے کوئی تعلق تھا یا نہیں، لیکن اس پر سب متفق تھے کہ انڈیا ہمیں نقصان پہنچانے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھے گا اور یہ کہ افغانستان کے معاملے میں غیر مشروط طور پر امریکا کا ساتھ دینے کے باوجود ہمیں اس کی جانب سے کوئی مدد نہیں ملے گی۔ انڈین آرمی کی نقل و حرکت اب خاصی تیز ہو چکی تھی اور پاکستان نے بھی جوابی کاروائی کے لیے تیاری شروع کر دی تھی: مجھے بتایا گیا کہ ٹرکوں کے قافلے شہر کے بیچ سے گزر کر سرحدوں پر موجود سپاہ کو کمک پہنچا رہے تھے اور کھانے کے دوران ہمارے کانوں میں ملٹری ہیلی کاپٹرز کی آوازیں آتی رہیں جو خاصی نیچی پرواز کر رہے تھے۔

افواہ گرم تھی کہ جلد ہی موٹروے پر ٹریفک روکا جانے والا تھا تاکہ ہمارے لڑاکا طیارے ان پر ایمرجنسی لینڈنگ کی مشق شروع کرسکیں۔

تمہارا تعلق کیونکہ ایک ایسے ملک سے ہے جسے طویل عرصے سے۔۔۔سوائے دہشت گردی کے چھپ چھپا کر کیے گئے چند حملوں کے۔۔۔ اپنی سرزمین پر کسی بھی نوعیت کی جنگ نہیں لڑنی پڑی ہے چنانچہ تم شاید اندازہ نہ کرسکو کہ لاکھوں کی تعداد میں ایسی افواج سے صرف چند میل کی دوری پر ہونے کا احساس جو کسی بھی لمحے حملہ کرنے کو تیار ہوں، کس طرح کا ہوتا ہے۔ میرے بھائی نے اپنی شاٹ گن کو صاف کرلیا تھا اور میرے انکلز میں سے ایک نے بوتل بند پانی اور کھانے پینے کی اشیا بڑی مقدار میں محفوظ کرلی تھیں جبکہ کچھ اضافی سامان ہمارے جز وقتی مالی کے ہاں رکھوا دیا گیا تھا۔ لیکن عام طور پر لوگ اپنی زندگیاں معمول کے مطابق ہی گزار رہے تھے: لاہور پاکستان سے مراکش تک پھیلے ہوئے مسلم ممالک کے طویل سلسلے کا آخری بڑا شہر تھا اسلیے سرحدی شہروں کے باسیوں میں پائی جانے والی عمومی بہادری یہاں بھی بدرجہ اتم موجود تھی۔

لیکن میں پریشان تھا۔ مجھے اس بات پر غصہ تھا کہ آخر ہم اپنے مشرقی پڑوسی۔۔۔چاہے وہ ہم سے بڑا ہی کیوں نہ ہو۔۔۔کی اس طرح کی جارحیت کے سامنے خود کو کمزور کیوں محسوس کرتے تھے۔ ہاں ہم ایک ایٹمی طاقت تھے، اور یہ بھی سچ تھا کہ ہماری افواج آسانی سے پیچھے ہٹنے والی نہیں تھیں، لیکن اس کے باوجود ہمیں دھمکایا جارہا تھا اور میں خود اس بارے میں سوائے بستر میں لیٹ کر بے خواب راتیں گزارنے کے کچھ نہیں کرسکتا تھا۔ یہ بھی طے تھا کہ کچھ دن میں مجھے اپنے خاندان اور گھر کو چھوڑ کر یہاں سے چلے جانا تھا اور اس خیال سے میں خود کو بزدل اور منافق محسوس کررہا تھا۔ آخر اور کس طرح کا فرد اپنے لوگوں کو ایسے حالات میں چھوڑ کر فرار ہوتا ہے؟ اور میں انہیں چھوڑ بھی رہا تھا تو کس وجہ سے؟ ایک اچھی تنخواہ والی نوکری اور ایک ایسی عورت کے لیے جو مجھ سے ملنے کی بھی روادار نہ تھی؟ میں بار بار خود سے یہی سوالات کرتا رہتا تھا۔

جب میری نیویارک واپسی کا وقت آیا تو میں نے اپنے والدین سے کہا کہ میں اپنا قیام کچھ مزید وقت کے لیے بڑھانا چاہتا ہوں مگر وہ میری سننے کو تیار نہ تھے۔ شاید انہیں اندازہ ہوگیا تھا کہ میں خود کو منقسم محسوس کررہا تھا اور کوئی چیز مجھے امریکا کی جانب واپس بھی کھینچ رہی تھی، یا پھر شاید وہ صرف اپنے بچے کو محفوظ دیکھنا چاہتے تھے۔ "جانے سے پہلے شیو کرنا مت بھولنا۔" امی نے مجھ سے کہا۔ "لیکن کیوں؟" میں نے پوچھا، "ابو اور بھائی کی بھی تو داڑھیاں ہیں۔" "انہوں نے صرف گرتے بالوں پر سے توجہ ہٹانے کے لیے رکھی ہوئی ہیں۔ اور تم تو ابھی اتنے چھوٹے ہو۔" انہوں نے میری ٹھوڑی اور گالوں کو انگلیوں سے چھوا اور بولیں۔ "اس حالت میں بالکل چوہے لگ رہے ہو۔"

فلائٹ کے دوران میں نے غور کیا کہ میرے ساتھی مسافروں کی بھاری اکثریت کم و بیش میری ہم عمر تھی: کالج کے طالبعلم اور نوجوان پروفیشنلز، جو سب چھٹیاں گزار کر واپس لوٹ رہے تھے۔ مجھے یہ بات مضحکہ خیز معلوم ہوئی: جنگ کے دنوں میں تو بچوں اور بوڑھوں کو محفوظ مقامات کی طرف بھیجا جاتا ہے، لیکن ہمارا معاملہ الٹ تھا اور دور وہ جارہے تھے جو سب سے توانا اور ذہین تھے اور جن سے ماضی میں ٹھہرنے اور سامنا کرنے کی سب سے زیادہ توقع رکھی جاتی تھی۔ میرا دل اپنے لیے نفرت سے بھر گیا، اس درجے کہ میرے لیے کھانا پینا دوبھر ہوگیا۔ میں نے آنکھیں بند کرلیں اور گزرتے گھنٹوں کے ساتھ اپنے ذمہ داریوں سے فرار کے احساس پر پشیمان ہوتا رہا۔

تم کہتے ہو کہ تم جنگ سے پہلے طاری ہونے والے غیر معمولی اعصابی تناؤ سے واقف ہو؟ آہا۔ تو پھر یقیناً تمہارا تعلق سروسز سے رہا ہے، جیسا کہ میں نے اندازہ لگایا تھا! کیا تم اتفاق نہیں کروگے کہ یہ انتظار، کہ آگے کیا ہونے والا ہے، بیحد مشکل ہوتا ہے؟ ہاں بہرحال اصل مار دھاڑ جتنا نہیں، لیکن تم کھاتے کھاتے رک گئے ہو: شاید تمہیں تازہ روٹیوں کا انتظار ہے۔ یہ لو، یہ آدھی روٹی میری لے لو۔ نہیں، میں اصرار کروں گا: ہمارا ویٹر ذرا سی دیر میں مزید لانے والا ہے۔

تمہارے پس منظر کے تحت یقیناً تم ماحول کی تبدیلی کے اس منفرد تجربے سے بھی گزر چکے ہوگے کہ ایک ایسی جگہ سے جہاں کشت و خون کا بازار گرم ہونے کا بہت زیادہ امکان ہو، ایک پرامن جگہ پہنچنا کیسا لگتا ہے۔ یہ بہت عجیب تبدیلی ہوتی ہے اور ان کیفیات کو بآسانی بیان نہیں کیا جاسکتا۔ میرے ساتھیوں نے دفتر واپسی پر میرا خوشدلی اور قدرے دبی دبی گرمجوشی سے استقبال کیا۔ امی کے کہنے اور ان مشکلات کا اندازہ ہونے کے باوجود جو امریکا واپسی پر مجھے درپیش ہوسکتی تھیں، میں نے اپنی دو ہفتے پرانی شیو نہیں بنائی تھی۔ شاید یہ میری طرف سے اپنی شناخت کا، یا پھر کسی طرح کے احتجاج کا اظہار تھا۔ یا شاید میں پیچھے جن حقیقتوں کو چھوڑ کر آیا تھا ان سے اپنا رابطہ اس طرح بحال رکھنا چاہتا تھا: اصل وجہ اب مجھے ٹھیک سے یاد نہیں۔ مجھے صرف یہ معلوم تھا کہ میں اپنے ساتھ کام کرنے والی کلین شیو نوجوان فوج کا حصہ نہیں لگنا چاہتا تھا۔ اور یہ کہ اندر گہرائی میں، کئی وجوہات کی بناپر، میں سخت غصے میں تھا۔

اگرچہ کہ یہ صرف ایک ہیئر اسٹائل ہے، اس کے باوجود مجھ جیسی رنگت والے کسی فرد کے چہرے پر داڑھی دیکھ کر تمہارے ہموطن جتنا اثر لیتے ہیں وہ خاصا دلچسپ ہوتا ہے۔ سب وے پر سفر کے دوران پہلے میں نے ہمیشہ خود کو عام لوگوں کا حصہ محسوس کیا تھا لیکن واپسی کے بعد ایک سے زائد بار مجھے بالکل اجنبی لوگوں کی طرف سے بدکلامی کا سامنا کرنا پڑا۔ انڈروڈ سیمسن میں بھی راتوں رات میں تیکھی نگاہوں کا نشانہ اور سرگوشیوں کا محور بن گیا تھا۔ وین رائٹ نے مجھے دوستانہ مشورہ پیش کرنے کی کوشش کی۔ "دیکھو یار۔" وہ بولا۔ "مجھے نہیں معلوم کہ تمہارے داڑھی رکھنے کے پیچھے کیا عوامل ہیں لیکن یہ طے ہے کہ اس کی وجہ سے تمہاری مقبولیت میں کوئی اضافہ نہیں ہورہا۔" "جہاں سے میں آیا ہوں وہاں یہ بہت عام سی بات ہے۔" ("جہاں سے میرا تعلق ہے وہاں جرک چکن بہت عام ہے۔۔" اس نے جواب دیا۔ "لیکن میں اپنے چہرے پر اس کا لیپ نہیں کیے رکھتا۔ تمہیں بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔ یہ ساری کارپوریٹ مساوات صرف دکھاوے کی ہے، یقین کرو میرا۔"

میں نے اپنے دوست کی فکرمندی کو سراہا مگر اس کے مشورے پر عمل نہیں کیا۔ جنوری کے مہینے میں ہماری فرم میں کام کافی ہلکا رہا اور میرا زیادہ وقت اپنی ڈیسک پر فارغ بیٹھے ہوئے گزرا۔ میں نے یہ وقت آنلائن پاکستان اور انڈیا کی بڑھتی ہوئی کشیدگی، دونوں کے مابین طاقت کے توازن اور جنگ کی صورت میں دونوں معیشتوں کو ہونے والے نقصان جن کی ابتدا ابھی سے ہوچکی تھی، کے بارے میں پڑھتے ہوئے گزارا اور سوچتا رہا کہ امریکا پر ساری دنیا میں اتنی ہلچل مچانے۔۔۔ جیسے افغانستان پر جنگ مسلط کرنے اور طاقتور ممالک کی خود سے کمزور ریاستوں کے خلاف

جارحیت کی حمایت کرنے، جو انڈیا پاکستان کے معاملے میں تھا۔۔۔کے باوجود اتنا معمولی اثر کیوں پڑ رہا تھا۔

اس کے ساتھ ساتھ، کوئی چھ ہفتوں تک خود کو روکے رکھنے کے بعد میں نے بالآخر ایریکا سے رابطے کی کوشش کی، اور کیونکہ اس کا فون مستقل بند تھا اس لیے میں نے ای میل کا راستہ اپنایا۔ میں دعوٰی کرنا چاہتا ہوں کہ میرا میسج مختصر تھا اور میں نے اس کی خاموشی کی درخواست پر عمل کرتے ہوئے صرف ہیلو ہائے ہی کی تھی، لیکن در حقیقت میں نے گھنٹوں صرف کر کے اب تک کا طویل ترین پیغام لکھ بھیجا تھا۔ میں نے اس میں ایریکا کو اپنی دفتری زندگی اور گھر جانے کے بارے میں بتایا تھا اور جس اذیت سے میں دوچار تھا اس کا بھی تفصیلی ذکر کیا تھا: ساتھ ساتھ یہ بھی لکھا تھا کہ میں اسے کس قدر یاد کرتا ہوں اور یہ کہ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کہاں تھی اور مجھ سے دور کیوں تھی۔ کچھ دن بعد اس کا جواب آیا۔ "میں ایک ایسی جگہ ہوں جسے کلینک کہا جاسکتا ہے۔ مجھے بھی تمہارا خیال آتا ہے۔" اس نے مجھ سے ملنے آنے کو کہا تھا؛ آمنے سامنے بیٹھ کر بات کرتے ہوئے وہ میرے سوالات کا جواب بہتر طور پر دے سکتی تھی۔

وہ کلینک شہر سے کچھ گھنٹوں کی مسافت پر تھا۔ دریائے ہڈسن سے کچھ فاصلے پر ایک مضافاتی علاقے کے ولا کو تبدیل کر کے یہ شکل دی گئی تھی۔ استقبالیے پر ایک نرس نے مجھے خوش آمدید کہا۔ "تم ضرور چنگیز ہو۔" وہ بولی۔ "ایریکا نے مجھے تمہارے بارے میں خاصا کچھ بتایا ہے۔" ("جی میں ہی چنگیز ہوں۔" میں نے کہا۔ "آپ کیسے جانتی ہیں؟" "پلکیں جیسے بے بیلائن کا اشتہار ہوں۔" جواب ملا۔ "یہی کہا تھا اُس نے") میرے اس تشبیہہ پر حیران ہو چکنے کے بعد نرس نے وضاحت کی کہ ایریکا میری منتظر تو تھی مگر قدرے نروس تھی اس لیے وہ چہل قدمی کے لیے نکل گئی ہے اور نرس سے اپنی جانب سے کچھ چیزوں کی وضاحت کے لیے کہا ہے۔ "تو کیا وہ مجھ سے نہیں ملے گی؟" میں نے پوچھا۔ نرس مسکرا دی۔ "ضرور ملے گی، ہنی۔" وہ بولی۔ "لیکن لوگ اپنی اِس جیسے مقامات پر موجودگی کی وجہ سے خفت کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اسے لگا کہ اگر پہلے میں تم سے بات کرلوں تو پھر تم دونوں کو زیادہ عجیب نہیں محسوس ہوگا۔" اس نے میرا ہاتھ تھپکا، پھر اضافہ کیا۔ "میں اس شاور کی مانند ہوں جو تم سوئمنگ پول میں چھلانگ لگانے سے پہلے لیتے ہو۔"

نرس نے بتایا کہ مجھے سمجھ لینا چاہیے کہ ایریکا کسی اور کی محبت میں مبتلا ہے۔ وہ جانتی تھی کہ یہ سننا میرے لیے صدمے کا باعث ہوگا، پھر بھی چاہتی تھی کہ میں دھیان سے سنوں۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا کہ وہ فرد جس سے ایریکا کو محبت ہے، میری یا نرس کی نظروں میں زندہ لوگوں میں شامل نہیں تھا؛ ایریکا کے لیے وہ مکمل طور پر حیات تھا، اور یہی اصل مسئلہ تھا: ایریکا کے لیے بہت مشکل تھا کہ وہ باہر نکل کر میری یا نرس کی طرح کی زندگی گزارے جبکہ اپنے دل و دماغ میں جن کیفیات اور تجربات سے وہ گزر رہی تھی وہ ان سے کہیں زیادہ بہتر اور طاقتور تھے جن سے اس کا ہم سب کے ساتھ رہتے ہوئے واسطہ پڑ سکتا تھا۔ اسلیے ایریکا نے سب سے دور اس جگہ کا انتخاب کیا جہاں لوگ اپنی تخیلاتی دنیا میں بغیر کسی کی مداخلت کے رہ سکتے تھے۔ (لیکن بہر حال ایک نہ ایک دن اسے یہاں سے جانا ہوگا۔) میں نے کہا۔ (شاید اس کے بعد وہ میرے ساتھ رہنا چاہے۔) (شاید۔) نرس نے سر ہلا کر کہا۔ (لیکن اس وقت تم سے ملنا اس کے لیے دوسرے سب لوگوں سے ملنے سے زیادہ دشوار ہے۔ کیونکہ تم بہت زیادہ حقیقی ہو، اور تمہیں دیکھ کر اس کا توازن بگڑنا شروع ہو جاتا ہے۔)

نرس نے کہا کہ ایریکا کے ملنے کا امکان ایک راستے کے اختتام پر ہے جو درختوں کے درمیان سے ہوتا ہوا چھوٹی چھوٹی جھاڑیوں سے ڈھکی پہاڑی تک پہنچتا ہے۔ اور وہ واقعی وہیں، ایک لکڑی کی بنچ پر بیٹھی تھی اور اس نے بھاری جیکٹ پہن رکھی تھی۔ میرے پہنچنے پر اس نے مڑ کر دیکھا، وہ بے حد کمزور ہو گئی تھی اور اس کے چہرے پر مذہبی پیشواؤں جیسا نور تھا۔ اس نے اپنا ہاتھ بڑھایا جسے مصافحہ کرنے کی بجائے میں نے چوم لیا، میرے لب اس کے دستانے کے مصنوعی ریشے سے مَس ہوئے۔ "تم پیارے لگ رہے ہو۔" وہ مسکرا کر بولی۔ "تمہاری آنکھیں داڑھی کی وجہ سے جیسے باہر کو آگئی ہیں۔" میں نے سوچا کہ وہ کسی ایسے فرد کی طرح لگ رہی ہے جس نے مہینہ بھر روزے رکھے ہوں اور عبادت اور مقدس کتاب کی تلاوت میں ایسا مستغرق ہوا ہو کہ اسے رات کے کھانے کا بھی خیال نہ آتا ہو۔ لیکن یہ میں نے اس کے سامنے نہیں کہا۔

اس نے مجھے اپنا بازو پیش کیا اور ہم چہل قدمی کرتے ہوئے باتیں کرنے لگے، ہماری سانسیں بخارات میں تبدیل ہوتے ہوئے ہم سے آگے چل رہی تھیں۔ "اس وقت یہ جگہ میرے لیے بہت اچھی ہے۔" وہ بولی۔ "میں یہاں سکون میں ہوں۔" "تم واقعی پر سکون لگ رہی ہو۔" میں نے کہا اور کچھ زیادہ ہی پر سکون کا اضافہ کرنے سے خود کو روکا۔ "مجھے اپنے چھپے رہنے پر افسوس ہے۔" اس نے کہا۔ "ایسا نہیں ہے کہ میں تم سے ملنا ہی نہیں چاہتی تھی، صرف یہ کہ میں دیکھ سکتی تھی کہ تم مجھ میں بہت زیادہ ملوث ہونے لگے ہو، اور میں تمہیں ٹھیس نہیں پہنچانا چاہتی تھی۔ میں نے سوچا کہ یہی بہتر ہے۔" "مجھے ٹھیس کیوں پہنچے گی؟" میں نے پوچھا۔ "جب آپ کسی کی کیئر کرتے ہو اور وہ آپ سے دور چلا جاتا ہے تو تکلیف تو ہوتی ہے نا۔" اس نے جواب دیا۔ "لیکن تم جا کہاں رہی ہو؟" میں نے پوچھا۔ اس نے سر جھٹکا اور کوئی جواب نہیں دیا۔

ہم خاموشی سے ساتھ ساتھ ٹہلتے رہے اور برف ہمارے قدموں تلے آواز کے ساتھ کچلی جاتی رہی: ٹھنڈ کی وجہ سے میرے کانوں میں درد شروع ہو گیا تھا۔ "کیا تم یہاں لکھتی بھی ہو؟" میں نے پوچھا۔ "نہیں۔" وہ بولی۔ "کچھ باقاعدہ تحریر کرنے کے انداز میں نہیں۔ پر میں سوچتی بہت ہوں۔ بہت کچھ تصور میں لاتی ہوں۔" "اور کیا ان تصورات میں کبھی کبھی میرا بھی گزر ہوتا ہے۔" "کبھی کبھی۔" وہ مسکرائی۔ "کوئی رومان پرور منظر پر مبنی تخیل؟" میں نے کہا، "جس میں ایک پردیسی کسی اور کا کردار ادا کر رہا ہو؟" اس نے قہقہہ لگایا اور میرے بازو کو زور سے دبایا: پہلی بار اس کے چہرے کے نقوش نرم پڑے۔ لیکن پھر وہ دوبارہ پہلے جیسی کیفیت میں چلی گئی۔ "تم نے میری بہت مدد کی ہے۔" اس نے کہا۔ "تم واقعی مہربان اور اپنے جذبے میں صادق تھے، میں تمہاری بیحد شکر گزار ہوں۔"

جس یقین کے ساتھ اس نے میرا ذکر ماضی کے صیغے میں کیا تھا، وہ سارے بیان میں میرے لیے سب سے زیادہ تکلیف دہ تھا۔ میں نے اپنے اندر امید کو چھناکے سے ٹوٹتے ہوئے محسوس کیا، پھر بھی میں نے کہا۔ "شکر گزار مت ہو، اپنے جذبات کی پیروکار بنو۔۔۔ میرے ساتھ نیویارک واپس چلو۔" لیکن میرے لہجے میں وہ کچھ نہیں تھا جس کی وجہ سے الفاظ طاقتور لگتے ہیں؛ اس نے کچھ دیر اپنا سر میرے شانے سے ٹکائے رکھا لیکن زبان سے کچھ نہ بولی۔ میں اس کے ساتھ ساتھ مرکزی عمارت کی جانب بڑھتے ہوئے آنکھوں کے کونوں سے اسے دیکھتا اور سوچتا رہا کہ اس طرح سب سے کٹ

جانے اور خود سے بے نیاز ہو جانے میں اُس کے زیر استعمال دواؤں کا کتنا ہاتھ تھا۔ کچھ دیر کے لیے میرے ذہن میں اسے زبردستی اپنی کرائے کی کار میں بٹھا کر ساتھ لے جانے کا خیال بھی آیا: کم از کم میری مدد ان کیمیائی مرکبات سے بہتر ہوتی جن کی مدد سے وہ حقیقت کی دنیا میں واپس آنا چاہ رہی تھی۔ لیکن اس خیال کی مضحکہ خیزی جلد ہی مجھ پر واضح ہو گئی اور میں نے ایسا کوئی قدم اٹھانے سے خود کو باز رکھا۔

"تمہیں اسکی اِنگ آتی ہے؟" اس نے مجھ سے پوچھا۔

"نہیں۔" میں نے کہا۔ "میں نے کبھی نہیں کی۔" "کرس اور میں" وہ بتانے لگی، "ہر سردیوں میں کولوریڈو، یا پھر کبھی کبھی ورمونٹ جایا کرتے تھے۔ بچپن میں ایک بار ہم سنٹرل پارک میں کھلے علاقے میں بھی نکل گئے تھے۔ ہم دونوں کو تحفے میں اسکی اِنگ شوز ملے تھے اور ہم کسی کو بتائے بنا چھپ چھپا کر نکل گئے تھے۔ لیکن وہاں کچھ گڑبڑ ہو گئی تھی اور ہمارے والدین کو پولیس سے مدد لینی پڑی تھی۔ خیر، مزہ بہت آیا تھا۔ یہ جگہ، خاص کر یہ جو برف سے ڈھکی ڈھلوان ہے، مجھے وہی سب یاد دلاتی رہتی ہے۔ کتنی نرم اور کتنی مہربان ہے یہ۔ تم بھی کبھی کبھار اسکی اِنگ کو جایا کرو۔" ہم پتھروں سے بنی ڈرائیووے کے قریب پہنچ چکے تھے۔ "تم مجھے لے کر چلونا۔" "میں نہیں لے جا سکتی۔" وہ نفی میں سر ہلا کر بولی۔ "لیکن تمہیں پھر بھی جانا چاہیے۔ اور خوش رہنے کی کوشش کیا کرو۔ ٹھیک ہے؟ مجھے بیحد افسوس ہے، ہر بات کے لیے۔ پلیز اپنا خیال رکھنا۔" اس نے مجھے گلے سے لگایا اور اس کے بعد وہیں کھڑی مجھے دیکھتی رہی۔ کرس مر چکا ہے ایریکا! میں نے چیخ کر کہنا چاہا۔ میں نے اسے چومنا چاہا مگر یہ بھی نہ کر سکا۔ شاید مجھے ایسا کر لینا چاہیے تھا۔ مجھے اسے جیتنے کی کوشش جاری رکھنے یا اس کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے اس کے حال پر چھوڑ دینے میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا تھا اور میں نے دوسرے راستے کا انتخاب کیا۔ شاید، میں نے واپسی میں ڈرائیو کرتے ہوئے خود سے کہا، یہ ایک امتحان تھا اور میں اس میں ناکام رہا تھا، شاید مجھے یہ رسک لے لینا چاہیے تھا۔ میں نے قریب قریب گاڑی واپسی کے لیے موڑلی اور واپس جانے لگا لیکن آخر کار میں نے ایسا نہیں کیا۔ شاید میں چلا جاتا تو آئندہ سب کچھ کسی اور انداز میں ہوتا؛ لیکن یہ بھی بہت زیادہ ممکن ہے کہ سب کچھ ویسا ہی رہتا۔

اس کے بعد آفس میں میرا حال بیحد برا رہنے لگا، مجھ پر غصہ طاری رہتا اور میں ہر وقت ایریکا اور اپنے گھر کی سوچوں میں گھرا رہتا۔ میں اپنی انتظامی ذمہ داریوں میں کوتاہی برتنے لگا تھا اور اپنے لیے نئے اسائنمنٹ کے حصول کے سلسلے میں میری کوششیں صفر ہو گئی تھیں۔ مجھے کسی حد تک یہ توقع تھی کہ کسی بھی روز کوئی میری میز پر آ کر مجھے ایک گلابی پرچی تھما کر میری جان اس مصیبت سے چھڑا دے گا۔ اس کی بجائے حیرت انگیز طور پر ایک دن جم کی جانب سے مجھے یہ تبصرہ ملا۔ "سنو بچے، یہاں کچھ لوگوں کے خیال میں تمہارے ساتھ کچھ مسئلے مسائل ہیں اور تمہاری داڑھی پر بھی انہیں اعتراض ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ مجھے ان باتوں کی کوئی پروا نہیں ہے۔ اصل چیز تمہاری کارکردگی ہے اور جہاں تک میرا خیال ہے، تم اپنے درجے میں دوسرے تمام تجزیہ کاروں سے کہیں زیادہ بہتر اور باصلاحیت ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ مجھے اندازہ ہے کہ پاکستان میں جو کچھ ہو رہا ہے اس کے بھی تم پر اثرات ہیں۔ تمہیں دراصل ایسے میں مصروفیت کی سخت ضرورت ہے جو اس مندی کے دور میں فراہم کرنا خاصا مشکل ہوتا جا رہا ہے۔ لیکن مجھے ایک نیا پراجیکٹ ملا ہے۔ یہ والپریزو، چلی میں ایک کتابوں کے ناشر کی ویلیوایشن کا کام ہے۔ اس پر صرف ایک نائب صدر اور ایک تجزیہ کار پر مشتمل چھوٹی سی ٹیم کام کرے گی۔ عام طور پر میں ایسے منصوبے زیادہ تجربہ کار لوگوں کے ذمے لگاتا ہوں لیکن یہ والا کام تمہیں دینا چاہتا ہوں۔ تم کیا کہتے ہو؟" "بہت شکریہ سر۔" میں منمنایا۔ "کچھ جوش جذبہ دکھاؤ یار۔" اس نے قہقہہ لگایا، پھر اضافہ کیا۔ "یہ بہت ذمہ داری کا کام ہے۔ تمہارے بیک اپ پر کوئی نہیں ہو گا۔"

"آپ مجھ پر بھروسہ کر سکتے ہیں۔" اس بار میں نے اپنے لہجے میں زیادہ ایمانداری سمونے کی کوشش کی۔ مجھے نہیں معلوم کہ اس میں کامیابی ہوئی یا نہیں، کیونکہ جواباً جم مسکرایا تو، لیکن وہ ایک الجھی ہوئی سی مسکراہٹ تھی۔

پر میں غور کر رہا ہوں کہ تم کھانے سے ہاتھ روک چکے ہو۔ کیا اس لیے کہ تمہارا پیٹ بھر گیا ہے؟ ٹھیک ہے، میں مزید پر اصرار نہیں کروں گا۔ لیکن میں اب کچھ میٹھا ضرور منگوانا چاہوں گا۔ بادام الائچی والی کھیر ہماری اس شام کے اعتبار سے نہایت موزوں رہے گی۔ ایسی ڈشوں سے تمہارا واسطہ شاید ہی پڑا ہو، لیکن میں چاہوں گا کہ تم تھوڑی سی چکھ کر ضرور دیکھو۔ آخر کو تمہارے ملک کے فوجیوں کو جنگ پر بھیجتے ہوئے ان کے راشن میں چاکلیٹ بھی تو شامل کی جاتی ہے، اسلیے خون آشام ترین مقصد پر کام شروع کرنے سے پہلے بھی منہ میٹھا کرنے کا تصور تمہارے لیے قطعی اجنبی نہیں ہو گا۔

جاری ہے۔۔۔

خدا کا کرنا کیا ہوا کہ ایک عجیب خواب اس ناشدنی کو نظر آیا۔ ایک رات سویا تو کیا دیکھتا ہوں کہ جیسے گھوڑے پر سوار ہوں اور گھوڑا جنگل میں سے گزر رہا ہے۔ یکا یک آہ سنائی دی۔ حیران ہو کر ادھر ادھر دیکھا تو وہاں کوئی نہ تھا۔ کچھ دیر کے بعد آہ نمبر دو سنی، دوسری بار حیران ہوا۔ جب تیسری آہ سن کر تعجب کا اظہار کیا تو آواز آئی۔ "میں نے بھری ہے۔" گھوڑے نے بڑی سلیس اردو میں کہا۔ "اور میں کیوں نہ بھروں؟ میں بھی تو جانور ہوں۔ منہ میں زبان رکھتا ہوں۔ تم انسانوں کے لئے تو حقوق مانگتے ہو، جانوروں نے کون سا گناہ کیا ہے۔ ڈارون کی تھیوری کے مطابق ہم سب ارتقاء کی مختلف منزلوں پر ہیں۔ ہمارا ماخذ ایک ہے۔ لہٰذا ہم سب ایک دوسرے کے کزن ہیں۔ اے میرے کزن میں تھک گیا ہوں، اب تم گھوڑے بنو اور میں سواری کروں گا"۔ چاروناچار اس حقیر کو گھوڑا بننا پڑا۔ باری باری ہم نے سواری کی۔ جنگل سے باہر نکل کر خیال آیا کہ اگر دونوں ساتھ ساتھ پیدل چلتے تو بہتر رہتا۔ رخصت ہوتے وقت میں نے اپنے نئے کزن سے دریافت کیا کہ اگر وہ انسان بننا چاہے تو کسی ماہر نفسیات سے مل کر اس کا انتظام کرا دیا جائے۔ لیکن وہ نہ مانا اور بولا کہ ان دنوں تانگے کے گھوڑوں کو چھوڑ کر بقیہ گھوڑوں کی پوزیشن انسان کی پوزیشن سے بدرجہا بہتر ہے۔ صبح جاگا تو بڑا پریشان ہوا۔ اس گفتگو کا یہ اثر ہوا کہ تانگے میں بیٹھنے سے احتراز کرنے لگا۔ اور کوئی سواری میسر نہ تھی لہٰذا نقل و حرکت محال ہو گئی۔ سائیکل چلا چلا کر برا حال ہوا تو عقیدے بدلنے پڑے۔

مزید حماقتیں از شفیق الرحمٰن سے اقتباس

مرسلہ: یاز غل

وہ ایسی تو نہیں تھی!!!

تحریر: موناسید

شور، دھواں اگلتی گاڑیاں، پی پی پاں پاں، کانوں پہ گراں گزرتی ہارن کی آوازیں۔۔۔۔۔۔ اور یہ جو اوس جیسا لگتا ہے در حقیقت اوس نہیں۔۔ دھواں ہے۔۔۔ جب کپڑوں سے، چہروں سے لپٹتا ہے تو اپنے جیسا کر لیتا ہے۔ اس نے سر جھٹکا۔۔۔۔۔۔ وہ بھی ایسی ہی ایک عام سے دن میں۔۔۔ ایک دھواں اگلتی منی بس کا حصہ تھی۔ ایک جیسے مناظر اس کی آنکھوں سے گزر رہے تھے۔۔۔ کنڈیکٹر شاہراہ فیصل آنے سے پہلے لوگوں کو چھت سے اترنے پہ مجبور کر رہا تھا۔۔۔۔۔ صرف شاہراہ فیصل پہ ہی قانون کے ٹھیکے دار دکھائی دیتے ہیں۔۔۔ کوئی چھت پہ بیٹھا دکھ جائے تو تگڑا جرمانہ۔۔۔ کنڈیکٹر کی آواز ایک تسلسل سے اس کے کانوں میں پڑ رہی تھی۔

" چل اوئے شاوا! اتر۔۔۔ ٹیم ختم۔۔۔۔ یہیں تک کا کرایہ تھا۔۔۔" اور ساتھ ساتھ۔" عائشہ باوانی، سٹی، گزری کی آوازیں لگ رہی تھیں۔

اس نے ایک گہری سانس لی، یہ اس کا روز کا معمول تھا۔۔۔ شور شرابہ، دھواں اگلتی گاڑیاں اور پسینے میں شرابور اس کی طرح تمام محنت کش۔

" خوبصورت لوگوں کو اپنی نظر اتار لینا چاہیے۔۔۔"

کوئی بے حد عامیانہ انداز میں کہتا ہوا اس کے پاس سے گزر گیا۔۔۔ نہ صرف جملہ اس کے کانوں میں گونجا تھا بلکہ جس نے کہا تھا یہ جملہ وہ اس سے مَس ہوتا ہوا بھی گیا تھا۔۔ وہ جی جان سے کانپ گئی۔۔۔۔ مساموں نے ڈھیروں پسینہ اگل دیا، اس کا کانپتا ہاتھ اپنی پیشانی سے دھار کی طرح بہتا پسینہ صاف کرنے لگا جو اس کی آنکھوں میں گر رہا تھا۔ جملے تو کئی قسم کے اس کے کانوں میں پڑتے تھے۔۔۔ مگر اس طرح احساس دلا کر کوئی نہیں گیا تھا، یکایک اس کو اپنے ہونے سے گھن آنے لگی۔

*****

" امی! آپ مجھے اجازت دے دیجیے۔۔۔ آخر آپ کب تک کام کریں گی؟" اس نے اپنی ماں سے کہا۔

" تم پڑھائی پوری کر لو اپنی۔۔۔۔" ماں نے شفقت بھری نگاہ اس پہ ڈالی۔" پھر کہیں استانی لگ جانا۔"

" امی!" وہ ٹھنکی۔" آخر کتنے پیسے مل جائیں گے مجھے۔۔۔ چھ سو، سات سو؟ صرف میٹرک ہی تو کیا ہے میں نے۔۔۔ وہ بھی ایک پیلے اسکول سے۔۔" اس کا لہجہ زہر خند ہوا۔

" میں۔۔۔ میں تم لوگوں کو کبھی کوئی سکھ نہیں دے سکی۔" ماں شرمندہ ہوئی۔

" یہ آپ نے کیسی بات کہی امی۔۔۔۔!" اس نے دلار سے ماں کے گلے میں بانہیں ڈالیں۔" آپ نہیں ہوتیں تو قلم ہمارے لیے محض ایک خواب ہوتا۔۔۔۔ اور سیاہی سے صرف انگوٹھا لگانے کا رشتہ ہوتا۔۔۔" اس کی آنکھ میں آنسو مچلا۔۔۔ ہمیشہ سے ہی اس کی ایک آنکھ سے آنسو ٹپکتا تھا۔

" خیر یہ سب چھوڑیں، ہمارے یہاں ہمیشہ سے ہی کام عورت کرتی ہے۔۔۔۔ میں بھی تو کام کرنے کی اجازت مانگ رہی ہوں۔۔۔"

اس نے کونے میں پڑے باپ پہ ایک نظر ڈالی۔۔۔ اس نے ہمیشہ سے ہی اس کو اسی کونے میں پڑا دیکھا تھا۔

دس بائی دس کا ایک کمرہ اور اس کے ایک کونے میں پڑا پانچ فٹ کا تخت۔ جس کے پائیوں پہ میل کی تہیں چڑھی ہوئی تھیں۔۔۔۔ کہیں کہیں کیلیں بھی ابھری ہوئی تھیں۔۔۔۔۔

ان سب سے بے نیاز اس کا باپ اسی تخت پہ پڑا رہتا تھا۔۔۔۔ آگے ایک چھوٹا سا صحن۔ اور اس میں ساتھ ساتھ باورچی خانہ اور پائے خانہ۔۔۔ صحن میں ایک چھوٹا سا فریج بھی تھا جو اس کے باپ کی طرح نہ جانے کب سے وہاں موجود تھا۔

وہ لوگ اسکول سے آنے کے بعد دن کا بیشتر حصہ اسی صحن میں گزارتے۔۔۔ جو رقبہ میں ان کے کمرے سے بھی چھوٹا تھا۔۔۔۔ اور پوری رات بھی اسی صحن میں چٹائیاں ڈال کر۔

اس نے سنا تھا کہ اس کا باپ چوکیدار تھا۔۔۔۔۔ مگر اس سے زیادہ غافل انسان اس نے نہیں دیکھا تھا۔۔

دیکھا تو اس نے بس اپنی ماں کو تھا انتھک محنت کرتے ہوئے۔۔ دوسروں کے گھروں میں کام کرتے ہوئے۔۔۔۔ جن کا جھوٹا کھا کر اور پہن کر وہ لوگ بڑے ہوئے تھے۔۔

" امیبیی! کیا سوچ رہی ہیں۔۔؟ اب ہاں بھی کہہ دیجیے۔۔۔ روبینہ کی خالہ ہیں وہ۔ انہوں نے کہا بہت صفائی ہے میرے ہاتھ میں، پورے دو ہزار دیں گی اور کام بھی سکھائیں گی۔"

" چلو، تمہارے ابو سے بات کر لوں۔۔" اس کی ماں نیم رضامند ہوئی۔

" ابو سے بات؟ بھلا کب کریں گی؟" وہ جی ہی جی میں خوب حیران ہوئی۔۔

وہ اس معمولی سی بستی میں پل بڑھ کے جوان ہوئی تھی۔۔۔ یہاں کے سارے طور طریقے اس میں رچ بسے تھے۔۔۔۔ کم عمری سے ہی بھنویں بنانا، بال رنگنا، غرضیکہ اسی طرح کے سارے کاموں میں وہ بھی اپنی اور ہم عمر سہیلوں کی طرح طاق تھی۔۔۔۔ ہاں مگر اس کے ہاتھ میں صفائی بہت تھی۔۔۔ مہندی تو اتنی شاندار لگاتی تھی کہ پورے علاقے میں اس کی دھوم تھی۔۔

روبینہ کی خالہ نے جو یہ ہنر دیکھا تو فوراً اپنے پارلر میں کام کرنے کے لیے اس کو کہہ بیٹھیں۔۔

اس کو لگا شاید یہ وہی موقع ہے جو زندگی سب کو ایک بار ضرور دیتی ہے۔ غربت کی دلدل سے باہر نکلنے کے لیے، تنکے کا سہارا۔

*****

" ارے واہ! کیا فٹاک چھوری ہے۔"

وہ اور روبینہ اس پتلی سی گلی سے گزر کر باہر سڑک کی طرف آ رہی تھیں کہ کانوں سے جملہ ٹکرایا۔

وہ تیز تیز قدم بڑھا کے وہاں سے نکل جانا چاہتی تھی کہ ایک اور جملے نے اس کے کان سرخ کر دیے۔

" کیا ہائیٹ ہے کیا فگر ہے؟"

اس نے اپنی بڑی سے چادر سے گویا خود کو چھپانا چاہا۔۔۔ روبینہ پلٹی کہ جواب دے اتنے میں اس نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔۔۔۔ جیسے روکا ہو کچھ بھی کہنے سے۔

" ایسے کنجروں کی وجہ سے گھروں سے نکلنا دوبھر ہو گیا ہے۔" روبینہ کی آواز تیز ہوئی۔

" کچھ مت کہنا۔۔۔۔۔ کچھ بھی مت کہنا۔۔۔ باہر نکلنا ہے تو یہ سب سہنا ہی پڑے گا۔" اس کی نو عمر آواز میں بڑی مضبوطی تھی۔

" اس طرح تو یہ اور شیر ہو جائے گا۔۔۔۔۔" روبینہ اس کو سبق سکھانے کے موڈ میں تھی۔

" میں نے کہانا۔اب چپ۔۔۔۔۔"

" تم کچھ کہو نہ کہو۔ہم نے تو سن لیا۔۔" پیچھے سے ہاتھ پہ ہاتھ مار کر تالی بجنے کی آواز آئی اور اس کے ساتھ ہی یہ فقرہ کانوں تک پہنچا۔

اس نے لب بھینچے اور بس میں چڑھ گئی۔

" یہ نذیرے چوکیدار کی لڑکی ہے نا؟" کالے نے کسی سے دریافت کیا۔

کالا واقعی کالا تھا۔اگر رنگین ٹی شرٹ نہیں پہنتا تو علم بھی نہیں ہوتا کہ منہ کہاں سے شروع ہوا اور کہاں ختم۔

ماں باپ نے تو نام محمد مستقیم دیا تھا۔۔مگر وہ مشہور اپنے لقب کالے کی وجہ سے تھا۔وہ بھی انہی گلیوں پہ پل بڑھ کے جوان ہوا تھا۔۔۔تعلیم سے اس کا کچھ لینا دینا نہیں تھا۔۔۔اس کے لیے زندگی بس شغل میلہ تھی۔

کمائی کے لیے چرس کا دھندہ تھا۔۔چند پڑیاں ادھر سے ادھر کیں اور دیہاڑی لگ گئی۔اس کے بعد شام کو لگے دم، مٹے غم۔

*****

پارلر میں کام کرتے اس کو چند ماہ ہو چلے تھے۔۔پہلی تنخواہ جب اس نے ماں کے ہاتھ میں رکھی تھی۔۔۔تب ہی ماں نے پانچ سو اس کے ہاتھ میں تھما کر باقی کی کمیٹی ڈالنے کا سوچا تھا۔

بیٹی کی شادی کے روپہلے خواب اس کی آنکھوں میں سجنے شروع ہو گئے تھے۔گھر کا گزارا تو جیسے تیسے چل ہی رہا تھا۔

" امی!" اس نے ہاتھ میں کوئی لوشن ملتے ہوئے کہا۔

" زرینہ باجی نے مجھ سے کہا ہے۔۔۔میں تم کو جتنا کام سکھا سکتی تھی سکھا دیا ہے۔۔اب مجھے کہیں اور کام سیکھنا چاہیے۔۔ وہ یہ بھی کہہ رہی تھیں کہ میں بہت باصلاحیت ہوں۔اور اس سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔۔۔ان کے پارلر میں اس سے زیادہ میں آگے نہیں جاسکتی۔ان کا پارلر تو چھوٹا سا ہے۔۔۔انہوں نے ایک جگہ میرے لیے بات بھی کی ہے۔۔" وہ ان کے پاس بیٹھتے ہوئے بولی۔

" امی! انہوں نے یہ بھی کہا کہ مجھے محدود ہونے کی ضرورت نہیں ہے، میرے جیسے کام کرنے والوں کو آگے بڑھنے کا حق ہے۔۔۔بہت آگے جانے کا۔۔۔بہت آگے۔۔" اس کی آنکھوں میں رنگ گہرے ہوئے۔۔۔شاید کچھ خوابوں کے رنگ اترے ہوں۔

لڑکیوں کی آنکھوں میں عموماً خواب رنگ سجاتے ہیں۔مگر کیا آنکھوں کو یہ علم ہوتا ہے کہ جب سب رنگ مل جائیں تو صرف سیاہ رنگ بچتا ہے۔۔؟"

" امی! انہوں نے بات بھی کر لی ہے۔۔۔اور وہ لوگ مجھے مزید کام بھی سکھائیں گے۔۔پارلر بہت بڑا ہے۔۔مشہور بھی ہے۔۔۔کلفٹن میں ہے۔۔"

" تم ہو آئی ہو؟" اتنی دیر میں اس کی ماں نے پہلی بار کوئی بات کی۔" اس نے آہستگی سے سر ہلا دیا۔

" تو۔۔۔؟" انہوں نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

" وہاں یونیفارم ہے۔۔۔" اس نے سر جھکا کر کہا۔

" جینز اور ٹی شرٹ۔۔" اس سے پہلے اس کی ماں کی گردن نفی میں ہلتی اس نے جملہ پورا کیا۔

" تنخواہ دس ہزار روپے ہے۔" اس نے بروقت اپنے پتے کھیلے۔وہ یقیناً بہت آگے جانے والی تھی۔اس کی ماں کی گردن اثبات میں ہلنے لگی۔

" دس ہزار روپے۔۔" آنکھوں میں سجے رنگ روپہلے ہو گئے تھے۔

*****

وہ صبح گیارہ بجے تک پارلر پہنچتی اور شام سات بجے اس کی واپسی ہوتی۔۔۔وہ گھر سے عام کپڑے پہن کر نکلتی۔۔اور پارلر جا کر وہاں کا یونیفارم تبدیل کر لیتی۔شروع میں اس کو کافی مشکلات ہوئیں مگر اس نے سب کچھ تیزی سے سیکھ لیا۔ زرینہ باجی بالکل ٹھیک کہتی تھیں۔

گزرے دس ماہ اس کی زندگی میں کئی خوشگوار تبدیلیاں لے کر آئے تھے۔وہ کافی نکھر گئی تھی۔کافی مشکلات آسانی میں تبدیل ہوئی تھیں۔۔۔تھوڑی سی خوشحالی نے دستک دی تھی۔روبینہ کا ساتھ اب وہی تک رہ گیا تھا۔۔۔۔جن لوگوں کو آگے بڑھنا ہوتا ہے ان کے لیے ساتھ کسی اسٹاپ کی طرح ہوتے ہیں۔ہر اسٹاپ پہ ایک ساتھ۔ان کے لیے منزل اہم ہوتی ہے ساتھ نہیں۔

روبینہ کا ساتھ تو ختم ہوا مگر کالے کا ساتھ برقرار تھا۔۔۔۔روز فقرے کستا، اپنی موجودگی کا احساس دلاتا کالا۔۔اس کی موجودگی اب اس کو محسوس ہونے لگی تھی۔۔۔اس طرح کے وہ اب اس کے روزمرہ کے فقروں کی عادی ہو چلی تھی۔ بالکل ایک روزمرہ کے معمولات کی طرح۔

وہ روز اسی بس میں سوار ہوتا، جس میں وہ سفر کرتی۔۔۔ مزے کی بات یہ تھی کہ واپسی میں بھی وہ اسی بس میں موجود ہوتا۔کس اسٹاپ سے چڑھتا، کس اسٹاپ پہ اترتا اس کو اس سے کوئی غرض نہیں تھی۔

" مگر آج کالے نے جو حرکت کی ہے۔۔" اس کو کوفت ہوئی۔

*****

" یہ سچ ہے زندگی آسان نہیں ہے۔۔۔مگر ہم جیسوں کے لیے تو ہر لمحہ سولی جیسی ہے۔" اس نے گہری سانس لی۔

پارلر میں اس کا کام سخت تھا۔۔سارا دن کھڑے رہنا، ہونٹوں پہ ایک مسکراہٹ لیے چاہے کام کرنے سے انگلیاں شل ہو رہی ہوں یا کھڑے رہنے سے کمر تختہ۔۔۔اب تو اس نے اس بات پہ بھی حیران ہونا چھوڑ دیا تھا کہ کیسے عورتیں ایک وزٹ پہ پانچ پانچ ہزار روپے اڑا دیتی ہیں۔

اس کے ساتھ کام کرنے والیاں اپنے لیے کچھ نہ کچھ پل چرا لیتیں۔۔۔مگر اس کو تو گھر سنبھالنا تھا۔۔۔۔کیوں زندگی اتنی مشکل ہے۔۔۔اوپر سے یہ کالا۔۔۔" اس کو یاسیت نے اپنی لپیٹ میں لیا۔" آج اس نے کتنی خراب حرکت کی ہے۔۔"

وہ رنجور ہوئی۔

" میں نقاب ہی کر لیتی ہوں۔۔۔" اس نے چادر ایک بار پھر اپنے سر پہ جماتے ہوئے سوچا۔" راستہ بہت لمبا ہے۔۔۔اور آئندہ سے گیٹ کے پاس والی سیٹ پہ بھی نہیں بیٹھوں گی۔"

اس نے تہیہ کیا۔" اپنی حفاظت خود ہی کرنا ہو گی۔"

وہ اسی جوڑ توڑ میں مصروف تھی کہ بس اچانک جھٹکے سے رکی۔

اس کا اسٹاپ آنے میں ابھی وقت تھا۔اس نے چونک کر ادھر ادھر دیکھا۔بس میں اس وقت وہ واحد اکیلی لڑکی تھی۔بس ایک ویران سی جگہ پہ خراب ہو چکی تھی۔۔۔کنڈیکٹر مسافروں کو بس خالی کرنے کے لیے کہہ رہا تھا۔۔۔وہ اس کے پاس بھی آیا اور اسے کہا۔

" بہن۔۔۔جب تک دوسری بس نہیں آجاتی۔آپ یہیں بیٹھو۔"

اس نے مناسب نہیں جانا۔بس خالی ہو چکی تھی، بس میں اب ڈرائیور اور کنڈیکٹر ہی موجود تھے۔وہ گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئی اور تیزی سے بس سے باہر نکلی۔

بعض اوقات حالات ہم سے ایسے فیصلے کروا دیتے ہیں جو ہمارے گمان سے باہر ہوتے ہیں۔وہ ایک پناہ سے دوسری پناہ کی تلاش میں نکلی۔بظاہر اس نے ایک درست فیصلہ لیا تھا۔

بس سے اترتے ہی اسے کالا مل گیا۔۔وہ شاید اس کے ہی انتظار میں کھڑا تھا۔اس کے دل کو تسلی ہوئی۔کوئی تو جان پہچان کا تھا۔وہ اتنی ہراساں تھی کہ کچھ دیر پہلے کا واقعہ بھی ذہن سے محو ہو گیا۔

کنڈیکٹر اور ڈرائیور نے ایک دوسرے کو معنی خیز نظروں سے دیکھا۔ایک ہی روٹ اور ایک ہی ٹائم پہ عموماً جانے پہچانے لوگ مل جاتے ہیں۔اور یہ دونوں تو اس بس کے روز کے مسافر تھے۔

یہ آخری بار تھا جو اس کو کسی نے زندہ دیکھا تھا۔

*****

تین دن بعد اس کی لاش ملی۔سر بریدہ، دریدہ، ادھڑی ہوئی۔۔اس کی ماں نے اس کو پہچانا تھا، ناک پہ رومال رکھ کے۔

وہ تین دن سے اسے تلاش کر رہی تھی۔اس کے گمان تک میں نہیں تھا کہ جس کو وہ تین دن سے تلاش کر رہی ہے وہ اسے گھر سے کچھ فاصلے پہ ایک کچرے سے بھرے پلاٹ میں ایسی حالت میں ملے گی۔

اہل محلہ غصے میں آ گئے۔۔ان کے علاقے کی عزت کا ایسا حال۔۔۔تھانے دار بھی کچھ شریف تھا، کچھ اس کے دل میں بھی لڑکی کی لاش کی حالت کا اثر تھا، اس نے تندہی سے حالات کی تفتیش کی۔اور نیتجتاً؟؟؟؟

"ایسی لڑکیوں کا ایسا ہی انجام ہوتا ہے۔" کہہ کر فائل بند کر دی۔کنڈیکٹر اور ڈرائیور کی گواہی پہ اس کو پورا اعتبار تھا۔

اخبار میں یک کالمی خبر لگی۔

"لڑکی کو اس کے بوائے فرینڈ نے عزت پامال کر دینے کے بعد قتل کر دیا۔۔عینی شاہدین کے بیان کی روشنی میں متوفیہ وقوعے کے روز آخری بار اپنے بوائے فرینڈ کے ساتھ دیکھی گئی تھی۔بوائے فرینڈ کو تندہی سے ڈھونڈا جا رہا ہے--------"

خبر کالے نے بھی پڑھی۔۔۔اس کو بڑی حیرانی ہوئی۔۔وہ دس ماہ سے اس کا پیچھا کر رہا تھا۔۔۔اس دن بھی اس کو لفٹ کی پیشکش کی تھی۔۔مگر اس نے ٹھکرا دی تھی------وہ غصے میں چلا آیا تھا۔۔اس نے اخبار سائیڈ میں رکھ دیا۔

"وہ------!اور بوائے فرینڈ۔۔؟؟؟وہ! ایسی تو نہیں تھی۔" کالا بڑبڑایا۔

---اختتام---

افسانچے

تحریر: بنت احمد

"احترام"

ایک بزرگ خاتون نے محفل قرآن خوانی میں، سپارے ہاتھوں میں کھولے گفتگو کرتی چند خواتین سے کہا:

"پیاری بیٹیو! قرآن سامنے کھلا ہو تو باتیں کرنا بے ادبی ہے، یہ قرآن کریم کے احترام کے منافی ہے"

پیاری بیٹیوں پر بزرگ خاتون کے پر شفقت لہجے اور پر سوز نصیحت نے بہت اثر کیا انہوں نے استغفار پڑھی، سروں پر دوپٹوں کو دوبارہ ٹھیک سے جمایا، اور سپاروں میں انگلی لگا کر بند کر کے ایک طرف کو بیٹھ کر باتیں کرنے لگیں۔

*****

"عذر گناہ بدتر از گناہ"

"دومئی کو راڈار جام نہیں ہوئے، بند تھے"۔ایئر چیف مارشل (جنگ، 5مئی 2011)

*****

"سامنے کی بات!"

صبح کے وقت سڑک پر قسم قسم کے یونیفارم میں ملبوس مختلف عمروں کے طلبہ طالبات اپنے اپنے تعلیمی اداروں کی طرف روانہ تھے، کچھ گاڑیوں، بسوں، سائیکلوں پر اور بہت سے پیادہ ہی۔

انہی میں سڑک کے ایک جانب کنارے کنارے ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے دو لڑکیاں باتیں کرتیں چل رہی تھیں۔

ایک نے دوسری سے پوچھا: "کیا تم نے کل پھر اپنی امی کا کچن میں ہاتھ بٹایا ہے؟"

"ہاں، مگر تمہیں کس طرح اندازہ ہوا؟" دوسری نے حیرت سے کہا۔

"سامنے کی بات ہے، تمہارے ہاتھ پر آج پھر سنی پلاسٹ لگا ہے۔"

*****

"الٹی گنگا"

ہنوز دلی دور است

اس فقرے کو ہم نے اہل دلی کا تکیہ کلام پایا۔جب ہم خیبر میں تھے تو سنا تھا کہ ہمارے لئے ہنوز دلی دور تھی۔جب لاہور پہنچے تب بھی دور رہی۔لال قلعے میں پہنچ کر بھی لوگوں کا یہی خیال تھا کہ ہنوز دلی دور است۔اچھا بھئی چلو دلی دور است۔بس!

تزک نادری (مزید حماقتیں) از شفیق الرحمٰن سے اقتباس

مرسلہ: یاز غل

"جس قدر بھی کام کر لو، وہ یہی کہتی ہیں، ہم نے اسے کبھی کام کو ہاتھ لگاتے بھی نہیں دیکھا"

"آئندہ سے تم ہمیشہ ان کے سامنے کام کیا کرنا"

"اب تو کچھ نہیں کہتی ہوں گی؟"

"کیوں نہیں۔۔اب وہ کہتی ہیں دکھانے کے لئے ہمارے سامنے سامنے کام کرتی ہے"

*****

"کیسا پرچہ ہوا ہے یار؟"

"ابے اس سے کیا پوچھ رہا ہے، اس کا تو اچھا ہی ہوا ہوگا"

"یہ تو ہے، اس کی تو پوزیشن آئی کہ آئی"

"پتہ نہیں یار! اس بار پرچے کافی مشکل ہیں"

"ارے چل یار! ہم سے بھی بنتا ہے"

"اور کیا، ڈرامہ کرتا ہے"۔

(اگلے سال)

"اور دوست! کیسے پرچے ہوئے؟"

"میرے تو تمہارے جیسے ہی ہوئے دوست! ہیرو سے پوچھو"

"اس سے کیا پوچھنا، ہمیں پتہ ہے اس کی پوزیشن تو پکی ہے"

"امید تو ہے یار! اس بار میرے پرچے بھی اچھے ہوئے ہیں"

"اوئے ہوئے۔۔۔!"

"کیا اتراتا ہے بھئی۔۔!"

"کیا بات ہے یار!، بڑا ہیرو بن رہا ہے!"

---اختتام---

قسمت

تحریر: موناسید

(ایڈیٹرز چوائس)

یہ ایک بڑا شہر ہے' ویسا ہی جیسے عموماً بڑے شہر ہوتے ہیں۔۔ فٹ پاتھوں پر لوگوں کا ہجوم' سڑکوں پر ٹریفک کا اژدھام' فضا دھوئیں سے پُر' اتنا دھواں چاروں طرف کے لوگ ایک دوسرے کو پہچان بھی نہ پائیں۔۔۔ شاید دھوئیں سے سب ایک جیسے ہو گئے ہیں یا نظروں میں اتنی دھند ہے کہ کچھ سجھائی نہیں دیتا۔۔

" وے فیکے! جلدی کر کام پر دیر ہو رہی ہے۔۔ اور پتا ہے نا میرا چندا کہ کام نا کرے ہیں تو کھاوے کیا؟"

"پر ماں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔! " فیکے نے اپنے ہاتھ میں موجود باسی پاپے کو دیکھا جو اس کی ماں شاید کسی کچرے کے ڈھیر سے چن کر لائی تھی اور چائے کے نام پر کالا میلا پانی جس میں شاید نام کو بھی دودھ نہیں تھا۔۔

" پر ماں منے بھوک لگے ہے اس سے مارا پیٹ نا بھرے ہے۔۔"

" وے فیکے نی ہڈ حرام چل اٹھ۔۔۔" سر پر پڑنے والا ہاتھ کافی بھاری تھا اور دیکھے بغیر بھی فیکے کو علم تھا کہ یہ کون ہو گا اس کا باپ۔" منے پتا ہے تو روج روج دیر کرے ہے اس کارن بھی پیسے کم ملے ہے۔۔ نہیں کام کرے گا تو کھائے گا کیا۔ مگر تو ہڈ حرام۔۔" ایک اور دھمو کا سات سالہ فیکے کی آنکھوں میں آنسو لے آیا۔۔ یہ لوگ ذات کے کیا کہلاتے تھے یہ تو یاد نہیں مگر ہاں ماں کچرا چنتی تھی اور باپ چرس پی کر زندگی کے دن گزار رہا تھا۔۔ اور بچوں کا ڈھیر زندگی گزارنے کی کوشش میں تھا کم عمری سے یہ کسی نا کسی کام میں لگ جاتے تھے تا کہ اپنا پیٹ اور اپنے باپ کی چرس کا خرچہ اٹھا سکیں۔۔

****

" ٹھیک ہے جی بچے وقت پر پہنچ جائیں گے۔۔ جی جی آپ بالکل فکر مت کریں۔ ایک دم ٹائم پر۔ بس ہم کو یاد رکھئے گا۔۔ جانتے ہیں نا کہ خدمت کا ہم کتنا ہدیہ لیتے ہیں۔۔ جی جی بالکل ایک دم صاف ستھرے ہوں گے بچے۔۔"
یہ تھے اسی شہر کے ایک یتیم خانے کے منتظم۔۔ نام وہ کیا پوچھتے ہیں کچھ فرض کر لیجیئے۔۔ ہاں بچے حاجی صاحب حاجی صاحب کہتے تھے۔۔ خشخشی داڑھی مہندی سے رنگی۔۔ درمیانی قد و قامت' حلیہ وہی جو عموما ایسے حضرات کا ہوتا ہے۔

" فضلو۔۔۔۔ ارے او فضلو۔۔۔! کہاں مر گیا کم بخت۔۔" چند لمحے پہلے شیرنی میں ڈوبی آواز اب کرخت ہو چکی تھی۔۔ داڑھی میں جلدی جلدی چلتے ہاتھ ان کے اضطراب کو ظاہر کر رہے تھے۔۔ فضلو فوراً ہی حاضر ہو گیا تھا مگر حاجی صاحب کو پل بھر بھی دشوار تھا۔۔

" بچے تیار ہیں؟" انہوں نے کڑک کر پوچھا۔"

" جی۔۔۔ حاجی صاحب۔۔!"

" اچھے سے دیکھ لینا' لباس صاف ستھرا ہو ان کا۔۔ بڑی پارٹی ہے جہاں آج انہوں نے جانا ہے۔۔"

" بہتر صاحب۔۔" فضلو نے کہا۔ حاجی صاحب اپنے آگے کسی کا بولنا پسند نہیں کرتے تھے۔۔

" اور ہاں۔۔ اس عبد القادر کو ضرور لے جانا' لونڈے کی آواز بڑی پیاری ہے ویسے۔۔۔"
یہ تیاری تھی ایک بہت بڑے گھر میں بچوں کو قرآن خوانی کے لیے بھیجنے کی' جہاں کسی کی والدہ کا انتقال ہو گیا تھا اور آج سوئم تھا۔۔ ظاہر آج کے تیز رفتار دور میں کس کے پاس ٹائم کے بیٹھ کر فاتحہ خوانی کرے۔ تو بس ایک رواج چل نکلا تھا یتیم خانوں نے بچوں کو بلایا جاتا اس کا معقول منافع دیا جاتا اور دیگ کی بریانی ہوتی جو ان بچوں کا نصیب بنتی۔ اللہ بھی خوش' ذمے داری بھی پوری اور ثواب کا ثواب۔۔ یتیم خانے کے منتظم اعلیٰ کو بچوں کی خدمات کا بھرپور معاوضہ۔۔ چلو جی یہاں بھی فوراً کا فوراً صلہ مل جاتا۔۔ اللہ اللہ خیر صلہ۔۔۔
حاجی صاحب دانتوں میں خلال کرتے ہوئے مسکرا رہے تھے

****

ٹریفک جام تھا۔۔ اور یہ فیکے کے لیے نعمت ہوتا تھا۔ وہ اس لیے کہ اس کا کام ہی تھا کہ گاڑیوں کے ونڈ اسکرین صاف کرنا۔ اس کے لیے ان کے پاس ایک بالٹی میں صرف ہوتا تھا اور دوسرے میں ایک چھوٹا وائپر جیسے ہی سگنل بند ہوتا فیکا اور اس جیسے کئی بچے گاڑیوں کے ونڈ اسکرین پر صرف والا پانی پھینک کر فوراً وائپر سے صفائی شروع کر دیتے کچھ گاڑی والے مہربان ہو کر ہاتھ میں کچھ رکھ دیتے اور کچھ صرف گالیاں۔۔ ایسے ہی ٹریفک جام میں یتیم خانے کی ہائی ایس بھی رکی۔۔ فیکے نے فوراہاتھ بڑھا کر اس پر پانی ڈالا اور صفائی شروع کر دی۔ عموماً لوگ کچھ نا کچھ ہاتھ پر رکھ ہی دیتے تھے مگر اس بار عجیب ہوا۔ ڈرائیور نے اتر کے فیکے کو ایک جھانپڑ رسید کیا۔۔

" الو کے۔۔۔۔۔۔۔۔" جانے کہاں سے آ جاتے ہیں حرام کے پلے۔۔ چل ہٹ مردود یہاں سے۔۔"
سرخ گال کے ساتھ آنسو بھری آنکھوں سے فیکے نے اس کو دیکھا۔ یہ ذلت تو اس کا روز کا مقدر تھی۔۔۔ مگر آج کچھ زیادہ ہی ہوا تھا۔۔ صبح باپ کے ہاتھ سے اور اب یہاں۔ صبح بھی چائے کی پیالی گر گئی تھی اور دوسرا کپ ملنے کا تو سوال ہی نہیں تھا اور ابھی بھی بھوک نے جیسے اپنے پنجے گاڑھ لیے تھے۔۔ سب بچوں نے یہ منظر دیکھا اور ان میں عبد القادر بھی شامل تھا۔۔۔ جس نے بڑی نخوت سے سر جھٹکا تھا۔۔

****

حسب معمول محفل میلاد و قرآن خوانی کی تقریب شاندار رہی۔۔۔ عبد القادر نے حسب معمول تلاوت کر کے سماء باندھ دیا تھا۔۔ اس کا معاوضہ بھی الگ سے ملا کئی لوگوں نے واہ واہ کی۔۔ صاحب محفل کو بھی داد ملی کہ واہ جی کیا شاندار سوئم کیا اپنی والدہ کا۔۔ حالانکہ صاحب خانہ اپنے ایک بہت امپورٹنٹ میٹنگ چھوڑ کر آئے تھے دعا میں شریک ہونے اور بچے ان کو پیٹ بھر کر بریانی اور ان کے ساتھ بھی کر دی گئی۔ ایک دیگ بریانی کی۔ فضلو بھی خوش تھا کہ آج تو اوپر کی کمائی ہوئی تھی۔ بھئی وہی نا جو عبد القادر کو ملا تھا معاوضہ اس پر سب سے زیادہ حق اسی کا تو تھا۔۔

****

گاڑی حسب معمول اسی ٹریف سنگل پر رکی تھی۔۔ فیکا حسب معمول دوڑا تھا اپنا رزق سمیٹنے کو۔۔ مگر ڈرائیور کو دیکھ کر صبح پڑنے ہونے والی عزت افزائی یاد آ گئی تھی۔۔ عبد القادر کو حسن اتفاق سے شیشے کی طرف والی سیٹ ملی تھی اس نے ایک میلے الجھے ہوئے بال جن کا رنگ دھوپ میں رہ رہ کر سنہرا ہو گیا تھا جھلسی ہوئی رنگت اور نہایت کمزور جسامت والے فیکے کو جس کے ہاتھ غلیظ ہو رہے تھے اس کو ایک دم کراہیت کا احساس ہوا۔۔
بے بسی سے فیکے کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ صبح سے آج فاقہ

ہی چل رہا تھا۔۔ ہر طرف گاڑیوں کا شور تھا کہ ٹریفک جام معمول تھا آئے دن کا۔۔ فیکے کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر عبدالقادر کا دل پسیجا۔۔ اس کے دل میں پہلی بار اس گندے غلیظ بچے کے لیے ہمدردی جاگی۔

" کیوں رو رہے ہو۔۔؟"فیکے نے تقریباً اپنے ہم عمر بچے کا سوال سنا۔۔ بھوک نے اس کی آنتوں کو ایک بل دیا اور ایسی اینٹھن ہوئی کہ آنسو بھر آئے۔

عبدالقادر پھر بے چین ہوا کہ معصومیت ابھی باقی تھی۔

" بولو نا۔۔۔! کیا ہوا ہے؟"

" آج صبح سے ایک روپے کی بھی کمائی نہیں ہوئی۔۔"

" تو۔۔۔! عبدالقادر نے حیرانی سے کہا۔۔

" گھر جاؤں گا تو بابا مارے گا اور یہ بھی کہ۔۔۔۔۔" اس نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر ان کو تر کیا۔۔

" آج صبح سے مجھ کو کچھ کھانے کو بھی نہیں ملا۔۔"

" تم اپنے گھر جا کر کیوں نہیں کھا لیتے کھانا۔۔؟" عبدالقادر اپنی پیٹ کی آسودگی محسوس کر کے بولا۔۔ "کیوں بھوکے ہو تم۔۔؟

فیکے نے ایک قہر بھری نظر اس پر ڈالی اور بولا۔۔

"وہ اس لیے کہ میرے ماں باپ زندہ ہیں۔۔ میں یتیم نہیں ہوں۔۔۔

۔۔۔اختتام۔۔۔

"خرچ تو مہمان کرواجاتے ہیں، بھگتنا ہمیں پڑتا ہے۔۔" بنی غصے سے بولی "اب ہمیں دیکھیں جو کوئی بھی آیا ہے، دو چار دن بھی رہا تو میری۔۔۔۔"

"دو چار دن" نورین نے اسکی بات کاٹ کر جلدی سے کہا

"بیوقوف یہ تو کوئی پورا سیزن گزارنے آیا ہے۔"

"سامان نہیں دیکھتیں۔"

"بستر کتنا بڑا ہے۔"

"اور سامان کونسا کم ہے۔"

"آپی میرے خیال میں کوئی بھولے سے یہاں آ گیا ہے۔ جانا کسی ہوٹل میں ہو گا یا کسی خالی بنگلے میں۔" بنی نے مذاق میں ہنستے ہوئے کہا

"معلوم تو ایسا ہی ہوتا ہے۔ نورین نے تمسخر سے کہا "پورے ساز و سامان سے لیس ہو کر آیا ہے۔"

(کچھ ڈائیلاگ رضیہ بٹ کے ناول نورین سے)۔ مرسلہ: کائنات

گائڈنس

میں نے لاہور میں مال روڈ پر ریگل کے پاس کھڑے ہو کر ایک ایسے شخص کو دیکھا جو نیلے رنگ کی عینک لگا کر سڑک کنارے کھڑا ہوتا تھا اور وہ ساتھ والے بندے سے کہتا تھا "مجھے سڑک کراس کرا دیں، آپ کی بڑی مہربانی ہو گی۔" وہ بے چارہ نابینا تھا۔ جس کو درخواست کرتا وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کو سڑک پار کرا دیتا تھا۔ ان دنوں مال روڈ اس طرح ٹریفک سے بھرپور نہیں تھی۔ وہاں وہ تھوڑی دیر ٹھہرتا تھا۔ پھر کسی اور نئے بندے یا کلائنٹ سے کہتا تھا کہ مجھے "سڑک پار کرا دیں، آپ کی بڑی مہربانی ہو گی۔"

اب سڑک پار کرتے کرتے وہ اتنے مختصر عرصے میں ایک ایسی دردناک کہانی اس شخص کو سناتا تھا جو اس کو سڑک پار کرا رہا ہوتا تھا کہ وہ بے چارہ مجبور ہو کر اس کو روپیہ دو روپیہ ضرور دے دیتا تھا۔

خواتین و حضرات! میری رپورٹنگ یا حساب کے مطابق وہ شخص دن میں کوئی تہتر مرتبہ سڑک کراس کرتا تھا۔ اب میرے ہاتھ میں تو ایک بڑے ہی کمال کا واقعہ آ گیا۔ میں نے اس کے خلاف رپورٹنگ کی۔ اس زمانے میں کیمرہ وغیرہ تو ہوتا نہیں تھا لیکن کہانی بڑے کمال کی بن گئی اور جب وہ چھپی اور اس کا احوال لوگوں کے سامنے آیا اور اس کی چالاکی سے لوگ واقف ہوئے تو بڑی دھوم مچ گئی اور میری بڑی عزت افزائی ہوئی۔ میرے استاد بھی مجھ سے خوش ہوئے۔ اس سٹوری کی وجہ سے اخبار دوبارہ بھی چھاپنا پڑا۔ اب میں پھولا نہیں سماتا تھا کہ میں نے کس قدر بڑا معرکہ سر انجام دے دیا ہے۔ میں نے اپنی ماں کو جا کے بتایا کہ میں اتنا نیک آدمی ہوں کہ تیرے بیٹوں میں اتنا نیک نہیں۔ یہ دیکھو میں نے کیسا مضمون چھاپ دیا ہے اور لوگوں کا اس سے کتنا بھلا ہو گیا ہے۔

دو ماہ اور گیارہ دن کی مدت گزر جانے کے بعد میں نے چھوٹے قد اور سانولے رنگ کا ایک آدمی دیکھا جو نیلی عینک لگائے داتا دربار کے پاس لوگوں سے کہہ رہا تھا کہ "مجھے سڑک پار کرا دیں، آپ کی بڑی مہربانی۔" اور لوگ اسے سڑک پار کرا رہے تھے اور وہ سڑک پار کرتے ہوئے اپنی داستان غم بیان کرتا تھا اور جو کچھ ملے لے لیتا تھا۔ میں اسے دیکھ کر ٹھٹکا اور میں نے کہا کہ یہ اسی طرح کا ایک اور بندہ وہی کام کر رہا ہے۔ کوئی تین گھنٹے میں اسے دیکھتا رہا۔ جب وہ شام کو فارغ ہو کر جانے لگا اور اس نے عینک اتار کر اپنی جیب میں ڈال لی اور جو پیسے اس نے اکٹھے کئے تھے انہیں گننے لگا تو میں نے اس کا بازو پکڑ لیا۔

میں نے کہا کہ " تم نے یہ کیا ڈھونگ رچا رکھا ہے۔"

اب وہ گھبرا گیا اور ڈر گیا۔

میں نے کہا کہ " میں تمہیں ابھی پکڑ کر تھانے لے جاؤں گا۔ میں صحافی ہوں۔ ہم تو کسی کو چھوڑا نہیں کرتے۔"

اس نے کہا "صاحب میں مجبور آدمی ہوں۔ آپ میرے ساتھ ایسی زیادتی نہ کرنا میں مارا جاؤں گا۔"

میں کہا کہ "تم یہ کیوں کرتے ہو۔"

اس نے بتایا کہ " وہ منٹگمری (آج کل ساہیوال) محکمہ خوراک میں جونیر کلرک ہے اور اس کی 270 روپے کے قریب تنخواہ ہے۔ یہاں لاہور سے ایک اخبار چھپا اس میں، میں نے ایک مضمون پڑھا جس میں بڑی تفصیل کے ساتھ ایک واقعہ تھا کہ ایک آدمی اس طرح سے جعلی نابینا بن کر لوگوں کو سڑک پار کرانے کو کہتا ہے اور پیسے بناتا ہے۔ یہ پڑھ کر مجھ پہ اللہ کا فضل ہو گیا اور میں نے کہا کہ یہی کام کرنا چاہئے۔ اس سے میرا بھی بھلا ہو گا۔ میرے گھر والوں کا بھی بھلا ہو گا چنانچہ میں نے یہ پیشہ اختیار کر لیا ہے اور میں اس اسٹوری کے لکھنے والے اور اخبار کے مالک کو دعا دیتا ہوں کہ وہ اس طرح سے میرا سہارا بنے اور مجھے گائیڈ کیا۔"

اشفاق احمد کی کتاب زاویہ سوم سے اقتباس

مرسلہ: سمارا

ہیری پوٹر اینڈ دا فلاسفر سٹون

تحریر: مون

گزشتہ شمارے میں ہیری پوٹر سیریز کی مصنفہ جے۔ کے۔ رولنگ کے حالات زندگی بیان کئے گئے تھے۔ اس قسط میں ہیری پوٹر سلسلے کی کتاب "ہیری پوٹر اینڈ دا فلاسفر اسٹون" کے بارے میں بتایا جائے گا۔

ہیری پوٹر اپنے انکل ورنن آنٹی پٹونیا اور کزن ڈُوڈلی کے ساتھ رہتا ہے۔

بقول اس کے انکل اور آنٹی کے ہیری کے والدین جیمز پوٹر، للی پوٹر کا انتقال ہیری کی کم عمری میں ہی ہو گیا تھا۔ انکل ورنن کو ہیری کے بالوں سمیت ہر بات اور چیز پر اعتراض رہتا تھا۔ اکثر ہیری کے بال اُلٹے سیدھے کاٹ دیتے تھے مگر وہ راتوں رات پھر سے بڑھ جاتے تھے۔ اس کی ایسی ہی باتوں پر ناپسندیدگی کی وجہ سے آنٹی اور انکل نا تو اسے کسی رشتہ دار سے متعارف کرواتے ہیں نا ہی کہیں لے کر جاتے ہیں۔ صرف بحالت مجبوری لے کر جانا ہو تو اور بات ہے۔ جیسے کہ ڈُوڈلی کی سالگرہ پر لزرڈ ہاؤس جانے کا پروگرام تھا اور مجبوری میں ہیری کو بھی ساتھ لیا۔ جہاں ایک اژدھا سو رہا تھا اور ہیری کے کزن سمیت بہت سارے لوگ شیشے پر زور زور سے ہاتھ مار کر اسے کوئی کرتب دکھانے کو کہتے ہیں مگر وہ سویا ہی رہتا ہے۔ ہیری اپنے کزن کے جانے کے بعد اژدھے سے معذرت کرتا ہے اور باتیں کرتا ہے تو اژدھا اپنے سر کی حرکت سے جواب دیتا ہے جس پر ہیری بہت حیران رہ جاتا ہے۔ اسی اثنا اس کا کزن اسے دھکا دے کر پرے گراتا ہے اور شیشے پر زور ڈال کر اژدھے کی حرکات کو دیکھتا ہے۔

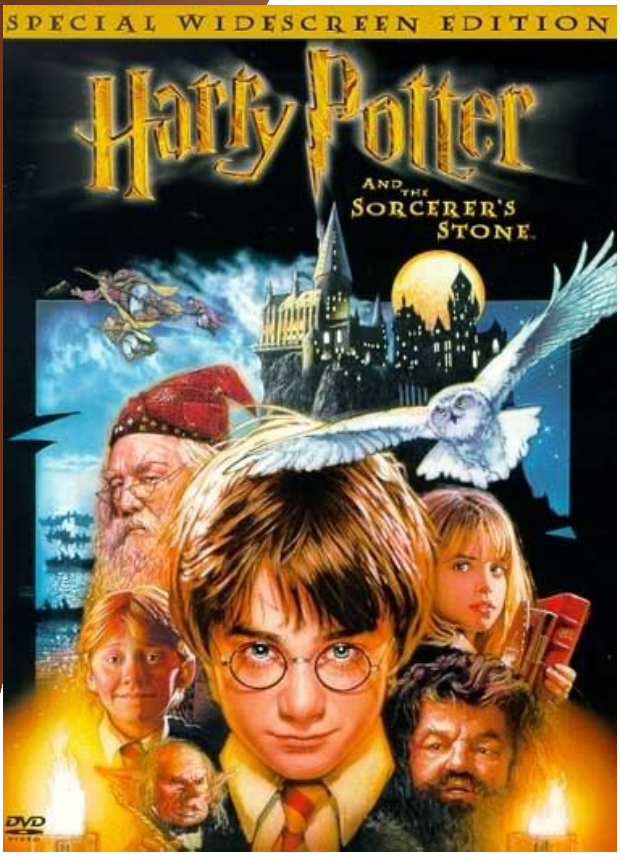

امریکن فلم ورژن کا ڈی وی ڈی کور۔ پروفیسر ڈمبلڈور تصویر میں بائیں طرف ہے اس کے نیچے رونلڈ ویزلی (رون) گرنگوٹ بنک کا گوبلن گریپ ہوک ہے۔ درمیان میں ہیری پوٹر ہے اور دائیں طرف ہیری کا اُلو ہیڈوگ ہے۔ اس کے نیچے ہرمائنی گرینجر اور آخر میں ہیگرڈ ہے۔

گرنے پر ہیری کو غصہ آ جاتا ہے اور وہ گھور کر اپنے کزن کو دیکھتا ہے جو شیشے پر دباؤ ڈالے کھڑا ہے۔ اچانک شیشہ غائب ہو جاتا ہے اور وہ اژدھے کی سائیڈ پر گر جاتا ہے۔ اژدھا ڈُوڈلی پر سے ہوتا ہوا باہر نکلتا ہے۔ ہیری کو تھینکس کہتا ہے اور وہاں سے چلے جاتا ہے۔

انکل ورنن اس کا الزام بھی ہیری پر ڈال کر اسے کپ بورڈ (سیڑھیوں کے نیچے) بند کر دیتے ہیں۔ ایک ہفتے بعد ہیری کی گیارھویں سالگرہ ہے۔ اس دن اسے ایک خط آتا ہے۔ جو کہ انکل ورنن لے لیتے ہیں اور پڑھتے ہی اس کے چہرے کا رنگ اُڑ جاتا ہے۔ ہیری کو پتا نہیں کہ اس خط میں کیا تھا لیکن اس کے بعد ہیری کو گھر کے سب سے چھوٹے بیڈ روم میں منتقل کر دیا جاتا ہے (اس سے پہلے اس کی مستقل رہائش گاہ سیڑھیوں کے نیچے موجود کپ بورڈ تھی اور آنے والے خط پر ایڈریس بھی کپ بورڈ کا ہی تھا جس پر انکل ورنن بہت خوفزدہ ہو جاتا ہے کہ بھیجنے والوں کو کیسے پتا چلا اس کا)

لیکن خطوط آنے کا سلسلہ اس قدر بڑھ جاتا ہے کہ گھر میں ہزاروں کی تعداد میں خط آ جاتے ہیں۔ انکل ورنن وہاں سے بمعہ اہل خانہ ایک دور دراز کے ہوٹل میں رہنے کو چلا جاتا ہے تو وہاں بھی آتے ہیں آخری ہتھیار کے طور پر ایک جزیرے پر جاتا ہے تو وہاں خط نہیں آتا بلکہ ایک انتہائی لمبا چوڑا مضبوط جائنٹ جیسا آدمی ہیگرڈ آتا ہے جو کہ ایک جادوگر ہے۔ وہ ہیری کو بتاتا ہے کہ ہیری ایک وزرڈ یعنی پیدائشی جادوگر ہے اور اس کے والدین کا انتقال کار حادثے میں نہیں ہوا تھا بلکہ ایک کالے جادو کے ماہر نے ان کو قتل کیا تھا۔ اور اس نے جب ہیری کو بھی قتل کرنا چاہا تو کوئی نہیں

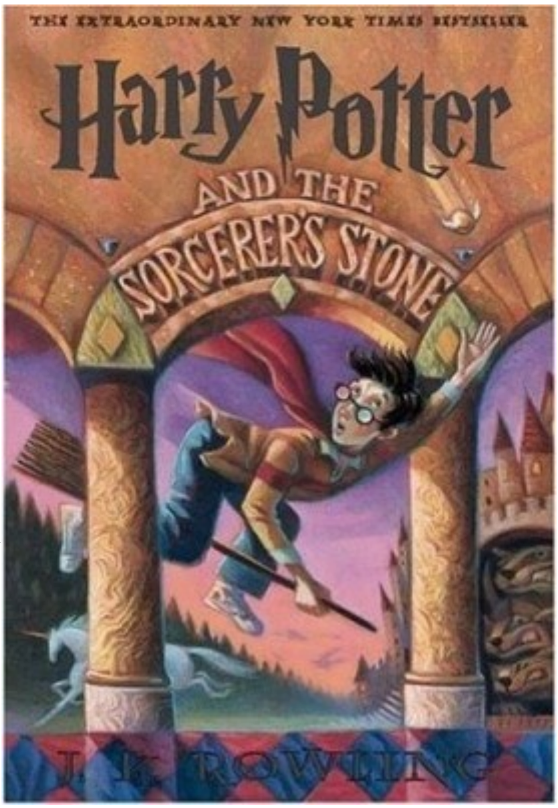

امریکن ورژن کتاب کا کور

جانتا کیا ہوا لیکن وہ اپنی ساری طاقتیں کھو کر کہیں مُنہ چُھپا گیا تھا اور آج تک کسی کو نہیں پتا وہ کہاں ہے اور زندہ بھی ہے یا نہیں۔ اس وجہ سے وزرٹ ورلڈ میں ہیری بہت عقیدت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔

کیونکہ وہ کالے جادو کا ماہر وُولڈ مورٹ بہت دہشت پھیلا رہا تھا اور اپنے رستے میں آنے والے ہر جادوگر اور عام انسان کو مار دیتا تھا۔

انکل ورنن اور آنٹی پٹونیہ کو اعتراض ہوتا ہے طعنے مارتے ہیں ہیری کو جس پر ہیگرڈ ہیری کے کزن ڈُوڈلی کی جادو کے زور سے دُم بنا دیتا ہے۔

ہیگرڈ ہیری کو اس کا خط دیتا ہے جو اصل میں ہوگوارڈ سکول کی طرف سے ہے جس میں ہیری کو وہاں آنے اور پڑھنے کا کہا گیا جاتا ہے۔

اگلے دن ہیگرڈ کی مدد سے ہیری اپنی مطلوبہ چیزیں diagon alley سے خریدتا ہے۔ اور وزرڈ بنک میں سے اپنے ماں باپ کی چھوڑی ہوئی دولت میں سے پیسے بھی لیتا ہے۔ بنک کے ایک لاکر میں سے ہیگرڈ ایک خُفیہ پیکج بھی لیتا ہے جو کہ سکول پرنسپل ڈمبلڈور کے لیے ہوتا ہے۔

اکتوبر کی پہلی کو ڈرا سہا ہیری ہوگوارڈ ٹرین میں بیٹھ کر سکول پہنچتا ہے۔ (ٹرین تک پہنچنے کا قصہ بھی دلچسپ ہے جس کے لیے کتاب پڑھنا پڑے گی) ٹرین میں اس کی ملاقات رون ویزلی اور ہرمائنی گرینجر سے ہوتی ہے رون سے اس کی دوستی ٹرین میں ہی ہو جاتی ہے جبکہ ہرمائنی سے دوستی سکول کے فرسٹ سمسٹر میں ہوتی ہے۔

diagon alley کے سفر سے لے کر سکول جاتے تک اسے معلوم ہوتا ہے کہ لوگ کس قدر اس کے بارے میں جانتے ہیں۔

تعارفی تقریب میں پروفیسر ڈمبلڈور سٹوڈنٹس کو ڈارک فورسٹ یعنی کالے جنگل میں اور ہوگوارڈ بلڈنگ کے تیسرے فلور پر جانے سے منع کرتے ہیں۔

سورٹنگ ہیٹ کی تقریب میں ہر سٹوڈنٹ کو اس کا ہاؤس الاٹ کیا جاتا ہے یعنی وہ کس گروپ میں ہوگا۔ (ہر سٹوڈنٹ کے سر پر جادوئی ٹوپی رکھی جاتی ہے جو کہ ہر سٹوڈنٹ میں موجود صلاحیتوں کو پرکھ کر اس کے حساب سے سکول ہاؤس گروپ الاٹ کرتی ہے) ہیری ٹوپی سے درخواست کرتا ہے کہ اسے سلیدرن میں نہیں بھیجا جائے۔ تو وہ گریفن ڈور میں سلیکٹ ہوتا ہے جو بہادر لوگوں کے مخصوص ہے۔ اس کے علاوہ سلیدرن، ہفل پف، ریون کلا تین اور ہاؤس ہیں۔

حتّٰی کے سب ٹیچرز بھی جس میں ایک ٹیچر ایسا بھی ہے جو ہیری سے بُرا رویہ رکھتا ہے۔ پروفیسر سیورس سنیپ۔

ڈیفنس اگینسٹ دا ڈارک آرٹ (Defense against the dark art) کا ٹیچر پروفیسر کوورل بہت عجیب کریکٹر ہے جو ہر سٹوڈنٹ سے ڈرتا رہتا ہے اور ہر وقت ایک بڑی سی پگڑی بھی پہن کر رکھتا ہے۔

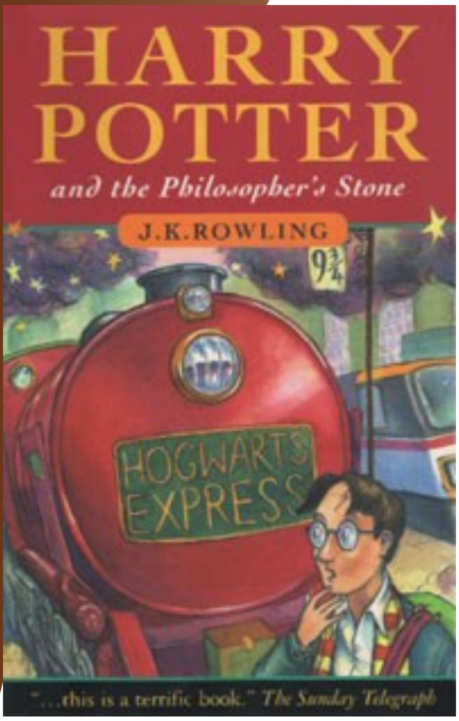

برٹش ورژن کتاب کا کور

ڈریکو مالفوئے نامی خالص خاندانی وزرڈ ہے جسے اپنے نسل در نسل خالص وزرڈ اور امیر ہونے پر بہت غرور ہے۔ ڈریکو ہیری پوٹر سے بہت جلتا ہے اس لیے وہ اسے آتے جاتے نا صرف تنگ کرتا ہے بلکہ رون کی غُربت کا بھی جی بھر کر مذاق اُڑاتا ہے۔

کرسمس پر ہیری کو نامعلوم مہربان کی طرف سے تُحفہ ملتا ہے جو کہ جادوئی چادر ہے جس کو اوڑھ لینے سے انسان مکمل طور پر نظروں سے اوجھل ہو جاتا ہے۔

اک دن ہیری، رون، ہرمائنی تیسرے فلور پر ایکسڈنٹلی جاتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ وہاں پر ایک تین مُنہ والا بہت بڑا کُتا بندھا ہوتا ہے جو کسی چیز کی حفاظت کر رہا ہے۔

ڈیلی پروفٹ نامی اخبار کے ذریعے ہیری کو پتا چلتا ہے کہ وزرٹ بنک گرنگوٹ کے ایک لاکر میں چوری ہوئی ہے چونکہ وہ خالی تھا اس لیے کوئی نقصان نہیں ہوا ہے۔ اور یہ وہی لاکر ہے جس میں سے ہیگرڈ اور ہیری نے خُفیہ پیکج نکالا تھا۔

ہیگرڈ کو باتوں میں لگا کر ہیری اور اس کے دونوں دوست پتا کرتے ہیں کہ سکول میں چُھپی ہوئی قیمتی چیز ایک پتھر ہے جو آبِ حیات جیسی خصوصیات رکھتا ہے۔ اور اس کا نام فلاسفر سٹون ہے۔

یہ تصویر فلم کے سین میں سے لی گئی ہے جب ہیری پوٹر کو سزا کے طور پر ہیگرڈ ڈریکو مالفوئے کے ساتھ ڈارک فورسٹ بھیجا جاتا ہے

ہیری رون اور ہرمائنی کی تجسسانہ رگ پھڑکتی ہے مختلف واقعات کو آپس میں جوڑتے ہوئے وہ یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ پروفیسر سنیپ فلاسفر سٹون کے پیچھے لگا ہوا ہے۔

ہیری پوٹر وزرڈ ورلڈ کی مشہور گیم quidditch میں چیسر کے طور پر منتخب ہوتا ہے اور نیچرلی اس میں تیز بھی ہوتا ہے۔ اور اپنے ہاؤس کے لیے میچز بھی جیتتا ہے۔

سکول کے آخری سمسٹر میں ہیری، ہرمائنی اور رون کو یقین ہو جاتا ہے کہ پروفیسر سنیپ اب پتھر کو چُرا لے گا وہ کُتے کو ڈاج دے کر اس کے نیچے چھُپے ہوئے حصے تہہ خانے تک جاتے ہیں رستے میں ان کو اُڑتے پرندوں کی تیز چونچوں سے لے کر زندہ شطرنج سے کھیلنا پڑتا ہے جس میں اصل میں شطرنج کے مُہرے اک دوسرے کو مات ہونے پر توڑ پھوڑ دیتے ہیں۔ اس کھیل میں رون کافی زخمی ہو جاتا ہے۔ اس سے آگے سات بوتلوں میں موجود لیکوئڈ کا پزل آتا ہے۔ جس کے ارد گرد آگ کا الاؤ روشن ہے۔ ایک بوتل ایسی ہے جس میں موجود محلول آگے جانے کا رستہ دے گا اور ایک بوتل واپس جانے کا رستہ۔ آگے بھی ایک ہی جا سکتا ہے اور پیچھے بھی اور بقیہ پانچ بوتلوں میں زہر ہے۔

ہرمائنی اس پزل کو حل کر کے ہیری کو آگے جانے پر مجبور کرتی ہے اور خود پیچھے جا کر رون کی مدد کرتی ہے اور پروفیسر ڈمبل ڈور کو بُلاوا بھیجتی ہے مدد کے لیے۔

ہیری کو آگے جا کر شاک پہنچتا ہے کہ وہاں چور پروفیسر سنیپ نہیں پروفیسر کورل ہے۔ جو ہیری سے پوچھتا ہے کہ جادوئی شیشے میں سے دیکھ کر بتائے کہ فلاسفر سٹون کدھر رکھا ہے۔

ہیری جھوٹ آئینے میں اپنے والدین کو دیکھتا ہے جو پتھر اس کی جیب میں رکھتے ہیں شیشے میں لیکن وہ حقیقت میں اس کے پاس آ جاتا ہے۔

وہ پروفیسر سے جھوٹ بولتا ہے جس پر پروفیسر اپنی پگڑی اُتارتا ہے اور اپنے سر کے پچھلے حصے کو ظاہر کرتا ہے۔ تب ہیری پر انکشاف ہوتا ہے کہ پروفیسر کے جسم میں وولڈ مورٹ کی رُوح سرایت کر چکی ہے اور اس کے سہارے وہ پتھر لے کر ابدی زندگی پانا چاہتا ہے اور وہ سب طاقتیں بھی جو وہ ہیری کے والدین کی قتل کی رات کھو چُکا تھا۔

پروفیسر وُولڈ مورٹ کے حکم پر ہیری کا گلا دبا کر مارنے کی کوشش کرتا ہے جس پر ہیری اپنے آپ کو چھُڑانے کی کوشش کرتا ہے اور دیکھتا ہے کہ جہاں جہاں وہ پروفیسر کو ہاتھ لگا رہا تھا وہاں سے پروفیسر کی جلد جلتی جا رہی تھی اور وہ سارے کا سارا راکھ بن گیا۔ وُولڈ مورٹ کی رُوح ہوا کے جھونکے کی طرح وہاں سے بھاگ جاتی ہے۔

اور ہیری کی آنکھ کچھ دن بعد اسپتال میں کھُلتی ہے۔ اس طرح ہیری کا پہلا سال سکول میں مکمل ہوتا ہے۔

کچھ فیکٹس کتاب اور فلم کے بارے میں۔

کتاب پہلی دفعہ 1997 میں شائع ہوئی۔

امریکہ میں اشاعت کے وقت اس کا نام فلاسفر سٹون سے تبدیل کر کے سورسررسٹون کر دیا گیا تھا۔

کتاب کو ایک سال کے اندر بے پناہ پزیرائی ملی اور ایوارڈز بھی۔ اس کتاب کی وجہ سے ہی نیو یارک بیسٹ سیلر کتاب کے ضمن میں چلڈرن بکس اور اڈلٹ بکس کی کیٹیگری متعین کی گئی تھی۔

جو رولنگ کہانی کی فلمی یا ڈرامائی تشکیل کے سخت خلاف تھیں مگر David Heyman نے جو رولنگ کو کنوینس کر کے فلم بنانے پر راضی کیا۔ جو کی چند ایک شرائط میں سے ایک یہ تھی کہ سارے اداکار سٹرکٹلی برٹش انگلش سپیکنگ ہونے چاہیے ہیں۔

اور کہانی میں کیا کیا تبدیلی ہونی چاہیے جیسے فائنل فیصلے بھی اپنے ہاتھ میں ہی رکھے۔

فلم ریلیز کے رائٹس وارنر برادر کمپنی کے پاس تھے اور ہیں۔

کتاب کے برعکس فلم نے ریلیز ہوتے ہی ہر طرف دھوم مچا دی۔ عام سے بچے جنہوں نے فلم میں کردار ادا کیے راتوں رات شہرت کی بلندیوں پر پہنچ گئے۔

ورلڈ وائڈ اس فلم نے 974.7$ ملین کا بزنس کر کے Worldwide highest-grossing films میں گیارہویں پوزیشن پائی۔ (ابتدا میں اس کی پوزیشن دوسری تھی جو وقت کے ساتھ دوسری فلموں کو ملتی گئی اور اب یہ گیارھویں پوزیشن پر ہے)

---اختتام---

باقر خانی والا-------!

باقر خانی والا------------!"

" بھیّا! کیسے دی--؟"

اور جب اس حساب کتاب میں وہ ایک باقر خانی چپکے سے باسی ڈال دیتا ہے-- آپ کو حقیقت دکھ رہی ہوتی ہے۔ اگر اس وقت کہر ہو تو یہ حقیقت آپ سے چھپ جائے گی۔

بالکل اسی طرح جیسے آپ کی کتنی کوتاہیاں دوسروں کی نظر میں آتی ہوں گی-- اور وہ نظر بچا جاتے ہوں گے۔

بالکل ویسے ہی جیسے ٹیبل پر بیٹھ کر احساس کرتے ہیں کہ ایک روٹی کم ہے چلو جانے دو میں خود کم کھا لوں گا/ گی-- یہ بھی تو ایک دھندلکا ہے نا اپنے ساتھ۔ حقیقت سے صرف نظر--

کبھی اپنی ماؤں سے بھی تو مطالبے ہوئے بھول جاتے ہیں نا کہ وہ بھی چپکے سے پورا کرتے ہوئے کسی دھندلکے میں ہوں اس منظر میں جس میں صرف اور صرف آپ خوب صورت دکھ رہے ہوں گے۔

لیٹ نائٹ شو سے لوٹتے ہوئے ابا سے کہنا: " بابا آج اسٹڈی کرنے رک گئے تھے۔"

اور بابا کا زیر لب مسکرا کر کہنا-- " کوئی بات نہیں بیٹا---"

اسی طرح کئی ننگی حقیقتیں بکھری پڑی ہیں۔ آس پاس دیکھنے کی عادت ہو تو دکھ ہی جاتی ہیں۔

لیکن اگر خواہش ہو کہ کسی منظر میں تحلیل ہو جائیں تو نظر انداز کر دینا ہی باعث سکون ہوتا ہے۔

بالکل اسی طرح جس طرح رب لایزل روز محشر کر دے صرف نظر-- ہماری ساری حقیقتوں کو جانتے ہوئے--

دھندلکے از مونا سیّد

(مرسلہ: سمارا)۔

لطائف اقبال رحمتہ اللہ علیہ

انتخاب: سلمان سلّو

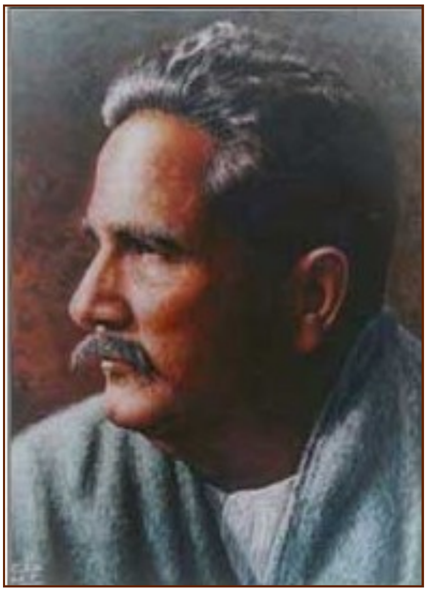

بہت کار گر

چودھری شہاب الدین بہت کالے تھے۔ ایک دن علامہ ان سے ملنے ان کے گھر گئے۔۔ بتایا گیا کہ چودھری صاحب غسل خانے میں ہیں۔۔۔ اقبال کچھ دیر انتظار میں بیٹھے رہے جب وہ باہر آئے تو کہنے لگے۔۔
"پہلے آپ ایک بات بتایئے۔۔۔ آپ کون سا صابن استعمال کرتے ہیں؟"۔
چودھری جی نے کہا کہ "یہ کیوں پوچھ رہے ہو؟"
علامہ اقبال رح فرمانے لگے کہ "نالی میں بہت سا کالی پانی بہہ کر آرہا ہے، بہت کار گر صابن معلوم ہوتا ہے۔

شوق موسیقی

علامہ کو ستار بجانے کا بہت شوق تھا۔۔ ایک صبح ستار بجانے میں محو تھے کہ سر ذولفقار علی اور سردار جوگندر سنگھ ملنے کے لئے آئے۔ انھیں ستار بجاتا دیکھ کر جوگندر سنگھ بولے۔ "ہر وقت ستار کو گود میں لیے بیٹھے رہتے ہو۔"
علامہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا کہ "کیا کروں 'سکھنی' جو ہوئی۔"
سردار صاحب نے برجستہ جواب دیا کہ "اچھا ہوا آج پتا چل گیا کہ آپ 'سکھ دے' ہو۔

کتے

فقیر سید وحید الدین کے ایک عزیز متمول لوگوں کی طرح کتے پالنے کے بے حد شوقین تھے۔ ایک روز وہ لوگ علامہ سے ملنے آئے تو ان کے ساتھ موٹر میں کتے بھی موجود تھے۔ وہ لوگ موٹر سے اتر کر اندر چلے گئے لیکن کتے موٹر ہی میں رہے۔ اس دوران علامہ اقبال رح کی صاحبزادی منیزہ نے کتوں کو موٹر میں بیٹھے دیکھا تو بھاگ کر اپنے ابو کے پاس گئی اور انھیں یہ خبر دی۔ "ابا! ابا! موٹر میں کتے آئے ہیں۔"
علامہ نے سامنے بیٹھے احباب پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ "نہیں بیٹا یہ تو آدمی ہیں۔

اعتراف

کسی نے علامہ اقبال رح سے پوچھا "عقل کی انتہا کیا ہے؟"۔۔
جواب ملا۔ "حیرت"۔۔۔
دوبارہ سوال کیا، "عشق کی انتہا کیا ہے؟"۔
جواب ملا، "کوئی انتہا نہیں"۔۔
سوال کرنے والے نے کہا پھر آپ نے یہ کیا لکھا ہے کہ
"تیرے عشق کی انتہا چاہتا ہوں"۔
علامہ مسکرائے اور کہا کہ دوسرا مصرعہ بھی تو پڑھیے جس میں اپنی حماقت کا اعتراف ہے کہ "میری سادگی دیکھ کیا چاہتا ہوں"۔۔۔

لاہور تک لنگڑا

اکبر الہ آبادی نے علامہ کے لئے الہ آباد سے لنگڑے آموں کا پارسل بھیجا۔۔ علامہ نے پارسل کی رسید پر دستخط کرتے ہوئے یہ شعر لکھ دیا کہ

اثر ہے تیرے اعجاز مسیحائی کا اے اکبر
الہ آباد سے لنگڑا چلا لاہور تک آیا۔

مشکل

چودھری شہاب الدین کو دیکھ کر لگتا تھا کہ علامہ رح کو سوائے چٹکلیوں اور پھبتیوں کے کچھ سوجھتا ہی نہ تھا۔۔ چودھری صاحب کی رنگت سیاہ تھی۔
ایک دن چودھری صاحب اسمبلی میں سیاہ سوٹ پہن کر تشریف لائے تو علامہ اقبال نے بااختیار کہا کہ "چودھری صاحب آج تو آپ ننگے ہی چلے آئے۔"
چند دن بعد چودھری سیاہ کی بجائے سفید سوٹ زیب تن کیے ہوئے آئے تو علامہ ہنسنے لگے۔ چودھری صاحب نے پوچھا۔ "تم ہنس کیوں رہے ہو؟"۔۔
اقبال رح کہنے لگے کہ "میں دیکھ رہا ہوں کہ یہ تم ہو یا کپاس کے کھیت میں ارنا بھینسا۔" ایک مرتبہ اسی موقع پر اقبال رح نے "بجھے ہوئے سگریٹ کی پھبتی کسی تھی۔

---اختتام---

پھر چراغِ لالہ سے روشن ہوئے کوہ و دمن
مجھ کو پھر نغموں پہ اُکسانے لگا مرغِ چمن

پھول ہے صحرا میں یا پریاں قطار اندر قطار
اُودے اُودے، نیلے نیلے، پیلے پیلے پیرہن

برگِ گل پر رکھ گئی شبنم کا موتی بادِ صبح
اور چمکاتی ہے اس موتی کو سورج کی کرن

حسنِ بے پروا کو اپنی بے نقابی کے لئے
ہوں اگر شہروں سے بن پیارے تو شہر اچھے کہ بن

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغِ زندگی
تُو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن

من کی دنیا؟ من کی دنیا سوز و مستی جذب و شوق
تن کی دنیا؟ تن کی دنیا سود و سودا مکر و فن

من کی دولت ہاتھ آتی ہے تو پھر جاتی نہیں
تن کی دولت چھاؤں ہے آتا ہے دھن جاتا ہے دھن

من کی دنیا میں نہ پایا میں نے افرنگی کا راج
من کی دنیا میں نہ دیکھے میں نے شیخ و برہمن

پانی پانی کر گئی مجھ کو قلندر کی یہ بات
تو جُھکا جب غیر کے آگے نہ من تیرا نہ تن!۔

مرسلہ: سمارا

اردو شاعری

نہ کوناں کہنا نہیں یہ ہے نشاں انکار کا

نہ کوناں کہنا نہیں یہ ہے نشاں انکار کا
ناں نہیں کرنا منع یہ شور ہے اصرار کا

وہ گلا کرتے رہے الزام بھی دھرتے رہے
ہم خمیدہ سر رہے دستور تھا سرکار کا

بعد اس کے آنکھ کو بھاتا نہیں منظر کوئی
نہ کسی کُہسار کا نہ ہی گُل و گلزار کا

یہ کہاں کی مصلحت ہے کونسی یہ ریت ہے
حال تو پوچھا مگر غیروں سے ہی دلدار کا

ہر جگہ اس دور میں ہر اِک کہانی ہے وہی
ہاں فقط بدلا ہوا ہے نام ہر کردار کا

نہ غزل کا شوق کشور، نہ ادب کا ذوق ہے
بن گیا نہ جانے کیسے سلسلہ اشعار کا

شاعرہ: کشتاج

عجب شخص ہے خود فاصلے بچھاتا ہے

جو تھک کے بیٹھوں تو منزل قریب لاتا ہے

عجب اندھیرے اجالے کا باندھتا ہے سماں
وہ ایک شمع جلاتا ہے، اِک بجھاتا ہے

تماشا دیکھے کوئی، اس کی غمگساری کا
سُنا کے دوسروں کے دکھ، مجھے رلاتا ہے

سماعتوں کے در و بام سجنے لگتے ہیں
وہ بولتا نہیں، تصویر سی بناتا ہے

وہی تو ہے پسِ منظر بھی، پیشِ منظر بھی
وہ سارے منظروں کو معتبر بناتا ہے

قریب آئے تو کہیے بھی، کیا ہے، کیسا ہے
ابھی جو دور ستارہ سا جگمگاتا ہے

وہ ویسا ہے نہیں، جو دیکھنے میں لگتا ہے
اسے یہی تو تماشا دکھانا آتا ہے

فریبِ عکس کی تاویل کیجیے کس سے
جہاں ہر ایک مجھے آئینہ دکھاتا ہے

کسی کے کوزے میں سمٹے ملیں سمندر سات
کوئی سراب ہی سے تشنگی مٹاتا ہے

میں گزرے وقت کی تصویر ساتھ رکھتا ہوں
کہ اپنا چہرہ مجھے بھول بھول جاتا ہے

شاعر: طارق بٹ

* * *

عجیب رنگِ سفر ہم نے اختیار کیا

کہ منزلوں سے نہیں راستوں سے پیار کیا

مجھے گلہ نہ رہا گردشِ زمانہ سے
ترے خیال کی خوشبو نے جب حصار کیا

بس ایک ریت کی چادر میں زیست کرتے رہے
کوئی بناؤ کیا ہے نہ کچھ سنگھار کیا

کسی کی یاد سے روشن رہیں مری آنکھیں
بڑے وقار سے ظلمت کی حد کو پار کیا

یہ بات ظرف کی ہے، ہم نے سب کو دیکھا ہے
کسی نے ہاتھ ملایا، کسی نے وار کیا

گماں یقیں کی حدوں سے گزر گیا اس بار
"تمام رات قیامت کا انتظار کیا"

خود اپنی آگ میں جلتے رہے بقا ہم تو
نہ تیرا ذکر نہ غم اپنا آشکار کیا

شاعر: بقا بلوچ

* * *

پار جب اترنا تم، کشتیاں جلا دینا

واپسی کے رستوں کے سب نشاں مٹا دینا

کار گاہِ مستی میں حد سے تم گزر جانا
راہِ عشق میں اپنی ذات کو مٹا دینا

زندگی میں سیکھا ہے ایک ہی سبق ہم نے
ہر ستم کے بدلے میں ہنس کے بس دعا دینا

درد و غم ملیں جو بھی، ان کو اشک کی صورت
چھپ کے ایک کونے میں آنکھ سے بہا دینا

شعر کوئی کہنا تو وہ الگ ہی کہنا تم
ایک ایک مصرعے کو رنگ تم جدا دینا

چاہتوں کو میرے تم ہر قدم پہ رکھنا یاد
ہو سکے تو تم میری ہر خطا بھلا دینا

ہم وفا شعاروں کا ہے یہ شیوہ عاکف جی
جو کرے جفا ہم پر، اس کو بھی وفا دینا

شاعر: عاکف غنی

* * *

فرمودۂ اقبال

منفعت ایک ہے اس قوم کی، نقصان بھی ایک
ایک ہی سب کا نبی ﷺ، دین بھی، ایمان بھی ایک
حرمِ پاک بھی، اللہ بھی، قرآن بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک
فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

مرسلہ: سارا

عدم کے مسافر

عدم کے مسافر پلٹتے نہیں
چلے جائیں تو پھر پلٹتے نہیں
کسی کی بھی خاطر پلٹتے نہیں

ہمہ وقت یادوں کی محفل سجے
ہمیں خوں رلاتے رہیں ہر سمے
مگر بہر شاعر پلٹتے نہیں

جنہیں دل سے رخصت نہیں کر سکے
کبھی دل سے ہجرت نہیں کر سکے
وہ پیارے بظاہر پلٹتے نہیں

صدا کوئی اُن کو بلا نہ سکی
اُڑانوں کی مستی میں ہیں آج بھی
کہ مدت سے طائر پلٹتے نہیں

شاعر: نوید ظفر کیانی

***

بے خبری

کسی کو کچھ خبر نہیں
یہ کون خود میں مر گیا
یہ کس کی سانس درد کی
انتہا سے رک گئی
یہ کس کے دل کی دھڑکنیں
ہولے ہولے تھم گئیں
،یہ کس کے خواب کچھ پلوں میں،
ان کہے بکھر گئے
جو حق پکار تا رہا
بتاؤ اس کا کیا ہوا؟
یہ روح کے سوال اب
جواب مانگتے ہیں سب
بھلا بتاؤ کیا کہیں؟
!!کہ بے خبر تو ہم بھی ہیں

شاعرہ: ندا سلیمان

***

نمی

چلے آؤ بزمِ خیال میں
کہ جمائیں ہم بھی محفلیں
کبھی اس میں حسن کا بیان ہو
کبھی دل بھی اپنا ترجمان ہو
کبھی چاہتوں کی سنیں دستکیں
کبھی جذبوں کا بھی گیان ہو
کبھی دل بھرا ہوا ہو اگر
میرے شانوں پر، تم رکھ کے سر
لو بہا دو سارے دکھ مگر
میری ایک بات یہ بھی سن لو تم
کہ تمہارے آنسوؤں کی نمی
میرے دل کی دھڑکنوں میں بھی
یوں اداسیوں کو لائے گی
کہ کبھی جو مسکراؤں میں
میری آنکھ میں، نمی آئے گی

شاعرہ: ندا سلیمان

***

زوالِ شب ہے، ستاروں کو گرد ہونا ہے
پسِ نگاہ ابھی ایک غم کو رونا ہے

اب اس کے بعد یہی کارِ عمر ہے کہ ہمیں
پلک پلک میں تیری یاد کو پرونا ہے

یہی کہ سلسلۂ نارسائی ختم نہ ہو
سو جس کو پا نہ سکے ہم، اُسی کو کھونا ہے

جو لفظ کھل نہ سکیں آئینے پہ، مٹی ہیں
جو بات دل پہ اثر کر سکے، وہ سونا ہے

تو اس کو توڑنا چاہے تو توڑ سکتا ہے
کہ زندگی ترے ہاتھوں میں اک کھلونا ہے

بس ایک چشم سیہ بخت ہے اور اک تیرا خواب
یہ خواب، خواب نہیں اوڑھنا بچھونا ہے

سفر ہے دشت کا اور سر پہ رختِ تنہائی
یہ بار بھی اسی عمرِ رواں کو ڈھونا ہے

ایوب خاور

مرسلہ: سارا

آج موسم بڑا رومانی تھا

سرِ شام بادل چلے آئے
ہوائیں جھومنے لگیں
من کا باورا پنچھی گانے لگا
اے ہوا میرے سنگ سنگ چل
میرے دل میں ہوئی ہلچل
کینڈل ڈنر پہ
معمولی سی بات پہ
تمہاری غصے کی آندھی چلنے لگی اور
ہم دونوں میں
دھواں دھار لفظوں کی برسات ہوئی
میری آنکھوں سے چھاجوں مینہ برسنے لگا
تم کالی گھٹا کی طرح برس کر چلے گئے
میں پھوار کی طرح برستی
اک کونے میں جابیٹھی
اور سوچنے لگی
آج موسم بڑا رومانی تھا
پر شائد
ہمارے ستارے ٹکرانے کے موڈ میں تھے

شاعرہ: کائنات بشیر

انتظار

ہاں اب بھی۔۔
جب ساون برستا ہو گا
گھٹائیں جھوم کے چلتی ہوں گی
قوسِ قزح تیرے آنچل پہ اترتی ہو گی
ہوا تجھے چھو کر
مستی میں گاتی گزرتی ہو گی
میرا نام زیرِ لب لے کر تجھے اچھا لگتا ہو گا
ہاں اب بھی۔۔
مجھے یقیں ہے کہ تری آنکھوں میں
میرے نام کے دیئے جلتے ہوں گے
اک انتظار سا رہتا ہو گا
اور اسی انتظار کا دیا میں نے بھی
اپنے دل کے دریچے میں جلا رکھا ہے

شاعرہ: کائنات بشیر

***

ظفرانیات (نوید ظفر کیانی)

جھوٹ کے آگے کہاں چلتا ہے سچائی کا نام
کلجگ نو میں تو سبزہ ہے اسی کائی کا نام

جانتا ہوں کہ وہ مس خفتہ ہیں میک اپ میں کہیں
اس لئے رکھا ہے پردہ اُن کی زیبائی کا نام

سوچئے دینا ہے کیا اُس کی جماہی کو لقب
ہو چکا ہے رقصِ محبوبہ کی انگڑائی کا نام

اُن کے ہاں کیا ہو امیدِ احترامِ عاشقاں
ڈھیٹ پن ٹھہرے جہاں صبر و شکیبائی کا نام

گھس گئے ہیں ہاتھ مس کالیں اُسے دیتے ہوئے
پھر بھی وہ ظالم نہیں لیتا ہے شنوائی کا نام

آپ کی نسبت کے ڈر سے تابِ گویائی نہیں
ہم نے بھی رکھا ہے ورنہ آپ کے بھائی کا نام

ہم کسی بھی معرکے سے ہار کر لوٹے نہیں
ہر شکستِ فاش کو دیتے ہیں پسپائی کا نام

جب گرانی اس کو بولو گے، گراں لگنی تو ہے
تم کوئی اچھا سا رکھ لو اپنی مہنگائی کا نام

اتنی گہرائی ہے کب درکار معلومات میں
بائیو ڈیٹا میں نہیں ہوتا کبھی دائی کا نام

ناپتا ہے اک ترے پیچھے اگر سڑکیں کوئی
کیوں لفنگا رکھ لیا ہے تُو نے سودائی کا نام

میرے اندازِ بیاں سے فائدہ کچھ تو ہوا
پڑ گیا ہے لغو گوئی خامہ فرسائی کا نام

جلا کے تو بھی اگر آسرا نہ دے مجھ کو
یہ خوف ہے کہ ہوا پھر بجھا نہ دے مجھ کو

میں اس خیال سے مڑ مڑ کے دیکھتا ہوں اسے
بچھڑ کے وہ بھی کہیں پھر صدا نہ دے مجھ کو

فضائے دشت اگر اب بھی گھر کو یاد کروں
وہ خاک اڑے کہ ہوا راستہ نہ دے مجھ کو

بس اس خیال سے میں شب بھر سو نہیں سکتا
کہ خوفِ خوابِ گزشتہ جگا نہ دے مجھ کو

تیرے بغیر تیری طرح میں زندہ رہوں
یہ حوصلہ بھی دعا کر نہ دے خدا مجھ کو

میں اس لئے بھی اسے مناؤں گا محسن
کہ مجھ سے روٹھنے والا بھلا نہ دے مجھ کو

محسن نقوی

مرسلہ: سمارا

مزاحیہ انتخاب

شاعر: ڈاکٹر انعام الحق جاوید

امریکہ

اس مرتبہ اب پوری طرح لے کے وہ زد میں
چھوڑ آئے گا چپکے سے ہمیں غیر کی حد میں
بس یہ ہے کہ مرتے ہوئے بیمار کی خاطر
کچھ سانس بھی دے جائے گا خیرات کی مد میں

***

امریکہ سے واپسی

آئی ایم ایف نے جو دی قرضے کی مے
لطف اس کے سارے چکھ آیا ہوں میں
دے دیا موچھوں کا تاؤ سُود میں
اور داڑھی رہن میں رکھ آیا ہوں میں

***

حسن کی فیکٹری

میں جتنی دیر میں آیا، بس اتنی دیر کے اندر
عجب بادل سا گرجا ہے، عجب بجلی سی کڑکی ہے
کرشمہ کیا بتاؤں تم کو بیوٹی پارلر کا میں
گئی اندر تو مائی تھی، جو نکلی ہے تو لڑکی ہے

***

سفید پوش

گردن "اتانہہ" کو اور نظر "ٹھانہہ" کئے ہوئے
خود کو سپردِ گردشِ دوراں کئے ہوئے
اس دورِ ناسپاس میں مہنگائی کے طفیل
"مدت ہوئی ہے یار کو مہماں کئے ہوئے"

***

سیاہ ست دان

یقیں کو بیچ سکتا ہے گماں کو بیچ سکتا ہے
مکر سکتا ہے خود سے اور "ہاں" کو بیچ سکتا ہے
پریشاں ہو رہے ہو کیوں پلاٹوں کے اسکینڈل پر
زمیں کیا چیز ہے یہ آسماں کو بیچ سکتا ہے

***

ملفوف رشوت

میز پر فائل اِدھر آئی، اُدھر چلتی بنی
مہربانی، مہربانی، مہربانی آپ کی
کیوں تکلف کر رہے ہیں یہ کوئی رشوت نہیں
اس لفافے میں تو ہے بس چائے پانی آپ کی

***

اسلام آباد

عجب ٹینشن زدہ کچھ لوگ اس بستی میں رہتے ہیں
بلندی تک پہنچنے کے لئے پستی میں رہتے ہیں
خبر ہو بھی تو کیسے ہو پڑوسی کو پڑوسی کی
کہ دونوں اپنے اپنے "گریڈ" کی مستی میں رہتے ہیں

***

ڈبل ٹربل

جدھر دیکھیں "پٹولا" ہے جدھر دیکھیں "پٹاکا" ہے
عزیزم! کیوں نہ ہو آخر، حسینوں کا علاقہ ہے
مگر افسوس، تنہا، کوئی اک بھی تو نہیں ان میں
کسی کے ساتھ کاکی ہے، کسی کے ساتھ کاکا ہے

***

محبوب

معشوق ہو کہیں کا بھی چہرے پہ ہر گھڑی
فرمائشوں کے ہوتے ہیں غازے سجے ہوئے
عاشق کی اپنی ایک ہی پہچان ہے فقط
چہرے پہ اس کے ہوتے ہیں بارہ بجے ہوئے

***

دو بیویوں والا

ایک جیسی مجھ کو پیاری تم بھی ہو اور وہ بھی ہے
میرے دل کی بے قراری تم بھی ہو اور وہ بھی ہے
کیا عجب ہے میں تو آدھا آدھا تم دونوں کا ہوں
اور مری ساری کی ساری، تم بھی ہو اور وہ بھی ہے

***

سید منیف اشعر (اس ماہ کے شاعر)

حد نگاہ میں کوئی شجر تو آنے دو
کوئی پڑاؤ کی صورت نظر تو آنے دو

ہمیں بھی آتا ہے قسمت کو ڈھونڈنا لیکن
ہمارے شہر میں اک دن سحر تو آنے دو

ذرا تو صبر کرواے مری تمناؤ
دعا کروں گا، مقامِ اثر تو آنے دو

سرِ نیاز تو از خود ہی جھک پڑے گا مگر
جو سر بلند کرے گا وہ در تو آنے دو

قبولیت کی گھڑی ڈھونڈتی پھرے گی مجھے
مری دعاؤں میں سحرِ اثر تو آنے دو

کہیں تو آ ہی ملے گا وہ ایک دن مجھ سے
پر اس کو یاد مری رہ گزر تو آنے دو

کریں گے خواہش جلوہ بھی ایک دن لیکن
ہماری آنکھ میں وصفِ بصر تو آنے دو

کریں گے قتل بھی، مظلوم بھی ہمیں ہوں گے
ہمارے ہاتھوں میں اُن کا ہنر تو آنے دو

کماں میں تیر ابھی کیا سجائیں ہم اشعر
جو آبروئے ہدف ہے، نظر تو آنے دو

*****

نہ کوئی دریا، نہ دریا کے خواب دیکھے ہیں
جدھر نگاہ اٹھائی سراب دیکھے ہیں

تمہیں نہ دیکھا تھا جب تک تو سہل تھا جینا
تمہاری راہ میں غم بے حساب دیکھے ہیں

بنا رہا تھا میں بیٹھا طویل منصوبے
کہ میں نے مٹتے ہوئے کچھ حباب دیکھے ہیں

وہ جس نے ہم پہ محبت کی بارشیں کی ہیں
اُسی نگاہ میں لاکھوں حجاب دیکھے ہیں

قرارِ امن، محبت، وفا، نویدِ سحر
یہ کیا ہوا ہے مجھے، کیسے خواب دیکھے ہیں

تمہاری قوت زر ہم سے ہار جائے گی
تمہارے جیسے ہزاروں جناب دیکھے ہیں

کسے بتاتے ہو اشعر یہ فرقِ ملت و قوم
جہاں نے قوموں کے لائے عذاب دیکھے ہیں

*****

مسلسل رت جگا دونوں کی عادت ہو گئی ہے
ہمیں بھی چاند سے شاید محبت ہو گئی ہے

نہ اوڑھوں چاندنی تو نیند کا امکان کیسا
شب مہتاب تو جیسے ضرورت ہو گئی ہے

گلہ شکوہ مناسب تھا اگر اپنوں سے ہوتا
ہمیں اک اجنبی سے کیوں شکایت ہو گئی ہے

کسی مفلس کو اب انصاف کیسے مل سکے گا
کہ اب زردار کی باندی عدالت ہو گئی ہے

بدن میں اس پری وش کے رواں تھا خونِ قائد
سو اس کو بھی قیادت کی شکایت ہو گئی ہے

ہمارے شہر کا احوال تم بس یوں سمجھ لو
ہنسی بچوں کے چہروں سے بھی رخصت ہو گئی ہے

سر محشر فرشتوں کو یہ حیرت ہو گئی اشعر
ندامت ہی تری بس وجہ رحمت ہو گئی ہے

*****

کچا گھڑا

اس پار کھڑے ہو تم
اور پاس بلاتے ہو۔۔۔۔
دریا میں تلاطم ہے۔۔۔۔
اور دور کنارا ہے۔۔۔۔
منظر تو سہانا ہے۔۔۔۔

پر ڈوب کے جانا ہے!

بشریٰ رحمٰن کی کتاب۔۔۔۔صندل میں سانسیں جلتی ہیں۔۔۔۔سے ایک انتخاب
مرسلہ: کائنات

کلام اقبال
(اشاعتِ خصوصی)

زمانہ آیا ھے بے حجابی کا، عام دیدار یار ہو گا
سکوت تھا پردہ دار جس کا، وہ راز اب آشکار ہو گا

گزر گیا اب وہ دور ساقی کہ چھپ کے پیتے تھے پینے والے
بنے گا سارا جہاں مے خانہ، ہر کوئی بادہ خوار ہو گا

کبھی جو آوارہ جنوں تھے، وہ بستیوں میں پھر آبسیں گے
برھنہ پائی وہی رھے گی مگر نیا خارزار ہو گا

سنا دیا گوشِ منتظر کو حجاز کی خامشی نے آخر
جو عہد صحرائیوں سے باندھا گیا تھا، پھر استوار ہو گا

نکل کے صحرا سے جس نے روما کی سلطنت کو الٹ دیا تھا
سنا ھے یہ قدسیوں سے میں نے، وہ شیر پھر ہوشیار ہو گا

کیا مرا تذکرہ جو ساقی نے بادہ خواروں کی انجمن میں
تو پیر میخانہ سن کے کہنے لگا کہ منہ پھٹ ہے، خوار ہو گا

دیار مغرب کے رہنے والو! خدا کی بستی دکاں نہیں ہے
کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو، وہ اب زر کم عیار ہو گا

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خود کشی کرے گی
جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا، ناپائدار ہو گا

سفینہ برگِ گل بنا لے گا قافلہ مور ناتواں کا
ہزار موجوں کی ہو کشاکش مگر یہ دریا سے پار ہو گا

چمن میں لالہ دکھاتا پھرتا ہے داغ اپنا کلی کلی کو
یہ جانتا ہے کہ اس دکھاوے سے دل جلوں میں شمار ہو گا

جو ایک تھا اے نگاہ تونے ہزار کر کے ہمیں دکھایا
یہی اگر کیفیت ہے تیری تو پھر کسے اعتبار ہو گا

کہا جو قمری سے میں نے اک دن، یہاں کے آزاد پابہ گل ہیں
تو غنچے کہنے لگے، ہمارے چمن کا یہ رازدار ہو گا

خدا کے عاشق تو ہیں ہزاروں، بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
میں اس کا بندہ بنوں گا، جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہو گا

یہ رسم بزم فنا ہے اے دل، گناہ ہے جنبشِ نظر بھی
رہے گی کیا آبرو ہماری، جو تو یہاں بے قرار ہو گا

میں ظلمت شب میں لے کے نکلوں گا اپنے درماندہ کارواں کو
شررفشاں ہو گی آہ میری، نفس مرا شعلہ بار ہو گا

نہیں ہے غیر از نمود کچھ بھی جو مدعا تیری زندگی کا
تو اک نفس میں جہاں سے مٹنا تجھے مثالِ شرار ہو گا

نہ پوچھ اقبال کا ٹھکانا، ابھی وہی کیفیت ہے اس کی
کہیں سر رہ گزار بیٹھا، ستم کشِ انتظار ہو گا

پیام عشق

سُن اے طلب گار درد پہلو! میں ناز ہوں، تُو نیاز ہو جا
میں غزنوی سومنات دل کا، تُو سراپا ایاز ہو جا

نہیں ہے وابستہ زیر گردوں کمالِ شانِ سکندری سے
تمام ساماں ہے تیرے سینے میں، تُو بھی آئینہ ساز ہو جا

غرض ہے پیکار زندگی سے کمال پائے ہلال تیرا
جہاں کا فرض قدیم ہے تُو، ادا مثالِ نماز ہو جا

نہ ہو قناعت شعار گلچیں! اسی سے قائم ہے شان تیری
وفورِ گل ہے اگر چمن میں تو اور دامن دراز ہو جا

گئے وہ ایام، اب زمانہ نہیں ہے صحرانوردیوں کا
جہاں میں مانندِ شمع سوزاں میان محفل گداز ہو جا

وجود افراد کا مجازی ہے، ہستیٔ قوم ہے حقیقی
فدا ہو ملت پہ یعنی آتش زنِ طلسم مجاز ہو جا

یہ ہند کے فرقہ ساز اقبال آزری کر رہے ہیں گویا
بچا کے دامن بتوں سے اپنا غبارِ راہِ حجاز ہو جا

یارب دِل مسلم کو وہ زندہ تمنا دے
جو قلب کو گرما دے، جو روح کو تڑپا دے

پھر وادیٔ فاراں کے ہر ذرّے کو چمکا دے
پھر شوقِ تماشا دے، پھر ذوقِ تقاضا دے

محرومِ تماشا کو پھر دیدہء بینا دے
دیکھا ہے جو کچھ میں نے اوروں کو بھی دکھلا دے

بھٹکے ہوئے آہو کو پھر سوئے حرم لے چل
اس شہر کے خوگر کو پھر وسعتِ صحرا دے

پیدا دِل ویراں میں، پھر شورشِ محشر کر
اس محملِ خالی کو، پھر شاھدِ لیلا دے

اس دور کی ظلمت میں ہر قلبِ پریشاں کو
وہ داغ محبت دے، جو چاند کو شرما دے

رفعت میں مقاصد کو ہمدوشِ ثریّا کر
خودداریٔ ساحل دے، آزادیٔ دریا دے

بے لوث محبت ہو، بیباک صداقت ہو
سینوں میں اجالا کر، دل صورتِ مینا دے

احساسِ عنایت کر آثارِ مصیبت کا
امروز کی شورش میں اندیشۂ فردا دے

میں بلبلِ نالاں ہوں اک اجڑے گلستاں کا
تاثیر کا سائل ہوں، محتاج کو داتا دے

سمجھیں اس کے کام کو

سائنس و ٹیکنالوجی

تحریر: سلمان سلّو

ماہنامہ ون اردو کے قارئین کے لئے ایک سلسلہ بعنوان "سمجھیں اس کے کام کو" شروع کیا گیا ہے۔اس میں سائنسی ایجادات جیسے کمپیوٹر،کار،ہوائی جہاز وغیرہ یا مصنوعی سیاروں،ستاروں وغیرہ کے کام کرنے کے طریقہ کار کے بارے میں بتایا جائے گا۔ اس سلسلے کا پہلا مضمون جگنو کے بارے میں گزشتہ شمارے میں پیش کیا گیا تھا۔اس دفعہ کا مضمون "ستاروں" کے بارے میں ہے۔

ستارہ کیا ہے؟

سائنسی اصطلاح میں ستارے سے مراد ہائیڈروجن و ہیلیئم گیسوں کا ایسا گیند نما مجموعہ جو اتنی کمیت (کسی جسم میں مادہ کی مقدار کو کمیت کہتے ہیں) رکھتا ہو کہ اس کے گودے میں نیوکلیر فیوژن (نیوکلیائی گداخت) ممکن ہو سکے،ستارہ کہلاتا ہے۔

ستارے کس چیز سے بنے ہوئے ہیں؟

ستارے بھی اسی چیز (مادہ) سے بنے ہوئے ہیں جس سے تمام کائنات بنی ہوئی ہے یعنی تہتر فیصد ہائیڈروجن، پچیس فیصد ہیلیئم اور اس کیساتھ دو فیصد دوسرے عنصر شامل ہیں۔

ستارے کس طرح بنتے ہیں؟

ہماری اس کائنات میں موجود تقریباً" تمام ستارے و سیارے ہائیڈروجن و ہیلیئم سے بنے ہوئے ہیں۔ آج سے تقریباً چودہ ارب سال پہلے تمام کائنات ایک انتہائی گرم و بڑی ٹھوس گیند کی شکل میں تھا۔ یہ گیند اندر سے اس قدر گرم ہو رہا تھا جس طرح اک ستارے کا گودہ یا دوسرے لفظوں میں تمام کائنات اک ستارے کی مانند ہی تھا۔نیوکلیر فیوژن (نیوکلیائی گداخت) کا عمل شروع تھا۔ہائیڈروجن، ہیلیئم میں تبدیل ہو کر ایندھن فراہم کر رہا تھا۔ پھر بگ بینگ کے عظیم الشان دھماکے کے بعد پچھتر فیصد ہائیڈورجن و تیئس فیصد ہیلیئم کے بڑے بڑے بادل سرد مالیکولر گیسوں کی شکل میں بکھر گئے تھے۔وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ کائنات پھیلتی گئی اور ٹھنڈی ہوتی گئی حتیٰ کہ ایک پوائنٹ پر جیسے توازن میں بگاڑ یا کسی سپر نوا کے دھماکے کی وجہ سے ان بکھرے ہوئے بادلوں میں دھماکے ہوئے اور ستارہ بننے کا عمل شروع ہوا۔

ستارہ بننے کے پہلے مرحلے کو پروٹو اسٹار کہا جاتا ہے۔یہ مرحلہ ایک لاکھ سال میں مکمل ہوتا ہے۔اس کے بعد دوسرے مرحلہ کا آغاز ہوتا ہے اور تقریباً ایک کروڑ سال کے بعد ایک مرحلہ ایسا آتا ہے کہ اک ستارہ نیوکلیر فیوژن کے لئے تیار ہو جاتا ہے اور ایک مکمل ستارے کی شکل میں ڈھل جاتا ہے۔

برہنہ آنکھ سے ہم کتنے ستاروں کو دیکھ سکتے ہیں؟۔۔جب مطلع بالکل صاف اور آسمان خوب تاریک ہو چاند نہ ہو تو ہم ایک سیدھ میں اپنی برہنہ آنکھ سے بنا کسی دوربین کے تقریباً" دو ہزار ستاروں کو بیک وقت دیکھ سکتے ہیں۔۔۔۔۔ستارے دن کے وقت بھی موجود ہوتے ہیں لیکن سورج

کی تیز روشنی کی وجہ سے نظر نہیں آتے۔۔۔ماہر فلکیات کے مطابق برہنہ آنکھ سے مجموعی طور پر چھ ہزار سے زیادہ ستاروں کو نہیں دیکھا جاسکتا۔

ستارے وسیارے میں فرق؟

سورج جو زمین کیلئے توانائی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے بھی ایک ستارہ ہے۔۔۔یہ چوہتر فیصد ہائیڈروجن وچوبیس فیصد، ہیلیئم اور کچھ دوسرے عنصر سے ملکر بنا ہوا ایک بہت بڑا گیند ہے۔۔۔اس کی کمیت اتنی زیادہ ہے کہ اس کے گودے میں موجود درجہ حرارت و دباؤ نیوکلیر فیوژن (نیوکلیائی گداخت) کو جاری رکھنے کے لئے کافی ہے۔ سورج و دوسرے تمام ستاروں کے گودے میں ہائیڈروجن و ہیلیئم کے ایٹم آپس میں ملکر نیوکلیر فیوژن کا سبب بنتے ہیں جس کے نتیجے میں زبردست توانائی پیدا ہوتی ہے۔۔۔اور سورج یا کوئی سا بھی ستارہ روشن ہو جاتا ہے۔ گر کوئی اور شے جس کے گودے میں اس طرح کے نیوکلیر فیوژن کا عمل برپا نہیں ہو پاتا تو ایسی شے کو ستارہ نہیں کہا جائے گا بلکہ سیارہ کہا جائے گا۔

بہت سے سیارے بھی اسی مادے سے بنے ہوئے ہیں جس سے ستارے بنے ہوئے ہیں سیارہ مشتری وسیارہ زحل بھی ہائیڈروجن و ہیلیئم کے مکسچر سے بنے ہوئے ہیں، لیکن کیا وجہ ہے کہ یہ سیارے ستاروں کی طرح چمک نہیں سکتے؟۔ اس کی بڑی وجہ کمیت ہے۔ اگر سیارہ مشتری کیساتھ 80 عدد اور مشتری سیارے یا اتنی کمیت والے سیارے اکھٹے کیئے جائیں تب ہی اس کے گودے میں نیوکلیر فیوژن ممکن ہو سکے گا ورنہ موجودہ کمیت یا سائز کے ساتھ ایسا ہونا ہرگز ممکن نہیں۔ اس کی دوسری مثال چاند کی ہے گو چاند ستاروں کی طرح روشن تو ہے لیکن چاند کو ستارہ تسلیم نہیں کیا جائے گا کہ چاند کی کمیت بے تحاشہ کم ہے اور مطلوبہ کمیت نہ ہونے کیوجہ سے چاند کے گودے میں نیوکلیر فیوژن ممکن نہیں ہو سکتا۔ چاند کی روشنی اس کی اپنی روشنی نہیں۔ چاند سورج سے روشنی حاصل کرتا ہے۔

ستاروں کے رنگ؟

عموماً" ستاروں کو سفید رنگ کا ہی سمجھا جاتا ہے لیکن ایسا نہیں، ستارے مختلف رنگوں میں ہوتے ہیں، سفید، نارنجی، بھورے، نیلے، زرد اور سرخ۔ کسی بھی ستارے کا رنگ اس کے سطحی ٹمپریچر پر منحصر ہوتا ہے۔ سورج کا سطحی ٹمپریچر چھ ہزار کیلون ہے گو کہ زمین سے سورج کا رنگ زرد نظر آتا ہے لیکن ایسا نہیں سورج کا اصل رنگ سفید ہے جو خلا میں جا کر نظر آتا ہے۔ جن ستاروں کا سطحی ٹمپریچر بہت ہی کم ہو جاتا ہے اور اس میں موجود ہائیڈروجن کا ایندھن ختم ہو جاتا ہے ایسے ستارے ٹھنڈے ہو کر بھورے یا سرخ رنگوں کے ہو جاتے ہیں اس کے مقابل زیادہ سطحی ٹمپریچر والے ستارے بے تحاشہ گرم ہو کر چمکدار نیلے رنگوں میں نظر آتے ہیں۔

ستارے زمین سے کتنے فاصلے پر واقع ہیں؟

زمین سے قریب ترین ستارہ بلاشبہ سورج ہے، سورج زمین سے ایک سو پچاس ملین کلو میٹر یعنی تقریباً" پندرہ کروڑ کلو میٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ سورج کی شعاع زمین تک پہنچنے میں آٹھ منٹ کا وقت لیتی ہے۔ ابھی تک بنائے گئے تیز ترین خلائی جہاز کی رفتار ستر ہزار کلو میٹر فی گھنٹہ ہے، اگر اسی رفتار سے سورج کی جانب سفر کیا جائے تو زمین سے سورج تک پہنچنے میں نوے دن کا عرصہ درکار ہو گا۔ سورج سے نزدیک ترین ستارہ "الفا سینچوری" نامی ہے جو چار اعشارہ دو نوری سال کے فاصلے پر واقع ہے۔ (اس الفا سینچوری نامی ستارے کو شمالی نصف کرہ زمینی کی طرف برہنہ آنکھ سے بھی دیکھا جاسکتا ہے) یعنی اگر روشنی کی رفتار سے الفا سینچوری ستارے کی طرف سفر کیا جائے تو چار سال میں یہ سفر طے ہو گا اور اگر اب تک موجودہ تیز ترین خلائی جہاز کی ستر ہزار کلو میٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے سفر کیا جائے تو نزدیک ترین ستارے تک پہنچنے کیلئے پینسٹھ ہزار سالوں کا عرصہ درکار ہو گا۔

ستارے کیوں جگمگاتے ہیں؟

اگر خلا میں جا کر ستاروں کا مشاہدہ کیا جائے تو ستارے بالکل بھی نہیں جگمگاتے، اس کی روشنی ہر طرف میں برابر ہی نظر آئے گی۔ ستاروں کی یہ جگ مگ صرف سطح زمین سے ہی نظر آتی ہے۔ اس کی وجہ ہماری کرہ فضائی ہے۔ ہماری یہ کرہ فضائی مختلف گیسوں کی پرتوں پر مشتمل ہیں کشش ثقل کی وجہ سے گیسوں کے یہ پرت کرہ فضائی کے ارد گرد موجود رہتے ہیں۔ جب ایک ستارے کی روشنی ان پرتوں میں سے گزرتی ہے تو وہ ان پرتوں سے ٹکراتے ہوئے اور مختلف زاویے اختیار کرتے ہوئے ہماری آنکھوں کی طرف آتی ہے اور نتیجتاً ستارے ہمیں جگمگ کرتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔ ستاروں کا یہ جگمگانا ماہر فلکیات کے لئے کافی پریشانی کا باعث بنتا ہے کہ وہ صاف منظر چاہتے ہیں اس لئے مشاہدہ گاہوں کو اونچے پہاڑوں کے اوپر بنایا جاتا ہے تا کہ دوربینوں اور ستاروں کے درمیان یہ زمینی فضا کم سے کم حائل ہو۔

ستارے کس طرح مرتے ہیں؟

جب کسی ستارے میں قابل استعمال ہائیڈروجن باقی نہ رہے جسے ہیلیئم میں تبدیل کیا جاسکے تو نیوکلیر فیوژن کا عمل رک جائے گا اور ستارے کی موت واقع ہو جائے گی لیکن اس میں کئی نظریئے ہیں اگر ستارے کی کمیت کم ہو تو ایسا ستارہ سفید چھوٹے ستارے کی شکل میں ڈھل جائے گا اگر ستارے کی کمیت بہت زیادہ تھی اور یہ اک دیو قامت ستارہ تھا تو یہ ستارہ دھماکے سے پھٹ کر سپر نوا میں تبدیل ہو جائے گا اور باقی مادہ میٹریل بلیک ہولز میں سما جائے گا۔ سورج اک اوسط سائز کا ستارہ ہے اگر اس میں
نیوکلیر فیوژن کا عمل خدانخواستہ رک جائے تو یہ اک بہت ہی بڑے سرخ رنگ کے دیو قامت ستارے میں تبدیل ہو جائے گا اور اپنی موجودہ سائز سے تین سو گنا بڑھ جائے گا۔ سائز میں اضافے کی وجہ سے یہ اپنے مدار سے باہر نکل جائے گا اور دوسرے سیاروں، مریخ، زمین کے مدار پر قبضہ جما لے گا اور شاید یہی وقت خدانخواستہ قیامت کا پیش خیمہ ثابت ہو گا۔

حوالہ جات:

www.universetoday.com
www.bautforum.com

ہیرا سیارہ

آسٹریلیا میں سائنسدانوں نے ایک ایسا نیا سیارہ دریافت کرنے کا دعویٰ کیا ہے جو ہیرے جیسے انتہائی کثیف مواد کا بنا ہوا ہے۔ سائنسدانوں کا کہنا ہے کہ یہ سیارہ زمین سے چار ہزار نوری سال کے فاصلے پر واقع ہے۔ ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ یہ کسی ایسے ستارے کی باقیات بھی ہو سکتی ہیں جو اپنی بیرونی پرت کھو چکا ہے۔ یہ سیارہ اب تک دریافت کیے جانے والے کسی بھی سیارے سے زیادہ کثیف ہے۔ بظاہر یہ سیارہ مشتری سے چھوٹا دکھائی دیتا ہے لیکن اس کی کمیت مشتری سے کہیں زیادہ ہے۔ اس سیارے کی کثافت کے بارے میں اندازہ یہ ہے کہ شدید دباؤ والے ماحول کی وجہ سے اس کے مرکز میں موجود کاربن قلمی شکل اختیار کرنے کے بعد ہیرے میں بدل گئی ہو گی۔

مرسلہ: سارا

بینڈوڈتھ (Bandwidth)

تحریر: امان

انٹرنیٹ کی دنیا میں بینڈوڈتھ کا نام آپ نے ضرور سنا ہوگا کہ فلاں آئی ایس پی یا فلاں ویب ہوسٹنگ پیکج میں اتنی بینڈوڈتھ ہے وغیرہ وغیرہ۔ آیئے جانتے ہیں کہ یہ بینڈوڈتھ آخر ہے کیا!

بینڈوڈتھ: آسان الفاظ میں بینڈوڈتھ ایک طے شدہ ڈیٹا کی وہ مقدار ہے جو ایک مخصوص وقت کے دورانیے میں ویب سرور سے دوسرے کمپیوٹروں کو منتقل کی جائے گی۔

استعمال: جب بھی ہم کسی ویب پیج کو اوپن کرنے کی ریکوسٹ سینڈ کرتے ہیں یعنی ایڈریس ڈال کر اوپن کرتے ہیں تو اس کا ویب سرور اُس پیج کو آپ کے براوزر کی طرف روانہ کرتا ہے۔ جس طرح ہر فائل کا ایک سائز ہوتا ہے اسی طرح ہر ویب پیج کا بھی ایک سائز ہوتا ہے۔ جب بھی کوئی ویب پیج آپ کے براوزر کی طرف آتا ہے / کھلتا ہے تو اس کا سائز ویب سرور اپنے پاس محفوظ کرلیتا ہے اور اس کو مجموعی بینڈوڈتھ میں سے تفریق کر دیتا ہے۔

مثال کے طور پر، آپ کے ویب ہوسٹنگ سرور نے آپ کی ویب سائٹ کے لیے ایک گیگابائٹ کی بینڈوڈتھ مہیا کی ہے جو کہ ایک ماہ کے لیے ہے۔ اب کوئی بھی یوزر آپ کی ویب سائٹ کو اوپن کرتا ہے اور آپ کی سائٹ کا ہوم پیج کا سائز 100 کلوبائٹ ہے، تو ہوم پیج کے اوپن ہوتے ہی (اس یوزر کے براوزر میں) یہ 100 کلوبائٹ، آپ کو دی گئی 1 گیگابائٹ کی بینڈوڈتھ میں سے تفریق کر دیئے جائیں گے۔ اسی طرح ایک ماہ کے اندر اندر جتنی بار آپ کی سائٹ کو دیکھا جائے گا اس کے پیج کا سائز مجموعی طور پر دی گئی بینڈوڈتھ سے زیادہ نہیں ہونا چاہیئے۔ اگر زیادہ ہوتا ہے تو ویب ہوسٹنگ کمپنی اس کے اضافی پیسے چارج کرتی ہیں۔

ضرورت: اگر آپ ویب سائٹ بنانا چاہتے ہیں تو آپ کو یہ دیکھنا ہوگا کہ آپ کو کتنی بینڈوڈتھ کی ضرورت ہے، اس کے لیے آپ کو نیچے دی گئیں تمام چیزوں کو دیکھنا ہوگا:

1) پہلے اپنی ویب سائٹ میں شامل تمام ویب پیجز کی تعداد کو ان کے مجموعی سائز سے تقسیم کرلیں یعنی اوسط سائز نکالیں۔ جیسے ویب پیجز کی تعداد 80 ہے اور ان کا مجموعی سائز 40 ایم بی ہے تو اوسط سائز پر پیج کا صفر اعشاریہ پانچ (0.5) ایم بی آئے گا۔ یہ Variable A ہوگیا۔

2) اندازہ لگائیں کہ آپ کی ویب سائٹ پر آنے والے یوزرز اوسطاً کتنے ویب پیجز دیکھتے ہیں۔ فرض کریں کہ یہ تعداد 10 ہے۔ اس کا اندازہ ویب سائٹ کی لاگ فائلز کو دیکھ کر لگایا جاسکتا ہے آسانی سے۔ یہ Variable B ہوگیا۔

3) اب آنے والے وزیٹرز کی اوسط تعداد نکالنی ہوگی، مثلاً ایک ماہ میں 2000، دوسرے ماہ میں 5000 اور تیسرے ماہ میں تعداد 10000 تک گئی تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اوسطاً 2666.6 وزیٹرز نے ایک ماہ میں آپ کی ویب سائٹ کو دیکھا۔ یہ Variable C ہوگیا۔

اب A کو B سے ضرب دیں اور حاصل کو C سے ضرب دیں

A x B x C

(0.5 x 10 x 2666.6) = 13333

یعنی 13,333 ایم بی یا 13 جی بی کا ڈیٹا ایک ماہ میں ویب سرور سے منتقل ہوا ہے یوزرز کے کمپیوٹرز پر۔ جس کا مطلب ہے کہ آپ کو کم از کم 13 جی بی کی بینڈوڈتھ چاہیئے ہوگی، مگر لینی آپ کو اس سے زیادہ پڑے گی کہ یہ 13 جی بی کا آپ نے اندازہ لگایا ہے۔

کم سے کم بینڈوڈتھ ٹرانسفر: آسان حل یہی ہے کہ ویب پیجز کا سائز کم سے کم رکھا جائے۔ اس کے لیے ویب پیجز میں کوڈز کی جگہ html ٹیگز نہ شامل کریں۔ html غیر ضروری متبادل طریقے استعمال کیے جائیں جیسے اسٹائل شیٹ وغیرہ۔ تصاویر کا سائز کم سے کم کیا جائے کہ تصاویر زیادہ سائز کی ہوتی ہیں تو بینڈوڈتھ پر اس کا اثر زیادہ پڑتا ہے۔ اس لیے کسی بھی امیج ایڈیٹر جیسے فوٹوشاپ کو استعمال کرتے ہوئے تصویر کی ریزولیشن کم کرکے اس کا سائز کم کردیں۔ مثال کے طور پر تصویر کا سائز 200 کلوبائٹ ہے اور اس کو ایک ماہ میں 5000 لوگوں نے دیکھا تو خالی اس تصویر کا ماہانہ ٹرانسفر 976 ایم بی تک جا پہنچے گا جو کہ ایک بڑی مقدار ہے۔ اس کے برعکس اسی تصویر کا سائز 20 کلوبائٹ کردیا جائے تو 97 ایم بی ڈیٹا ٹرانسفر ہوگا۔ جس سے کافی مقدار میں بینڈوڈتھ کی بچت ہوگی۔

زیادہ بینڈوڈتھ کس کے لیے ضروری / کس کے لیے نہیں:

اگر ویب سائٹ کچھ صفحات اور زیادہ تصاویر پر مشتمل نہیں تو اس کے لیے زیادہ بینڈوڈتھ کی ضرورت نہیں۔ مگر ملٹی میڈیا / سوفٹ ویئرز ڈاؤن لوڈز سائٹ پر بینڈوڈتھ کی ایک اچھی خاصی مقدار چاہیئے ہوگی۔ اس کے علاوہ بینڈوڈتھ سب سے اہم آن لائن سائٹس کے لیے ہوتی ہے خاص کر ریڈیو / ٹی وی کی براہ راست نشریات کے لیے۔

---اختتام---

کیا آپ جانتے ہیں

* برطانوی فوج میں انسپکٹر جنرل کے عہدے تک پہنچنے والے ڈاکٹر جیمز بیری کی وفات کے بعد علم ہوا کہ وہ عورت تھیں۔
* ایڈیسن اپنی بیوی سے اکثر "مورس کوڈ" کے ذریعے گفتگو کرتا تھا۔
* پرنٹنگ مشین کا موجد جوہانس گٹن برگ، پیشے کے لحاظ سے سنار تھا۔
* روشنی کے بلب کا موجد ایڈیسن، اندھیرے سے بہت خوف کھاتا تھا۔
* دریائی گھوڑا تیر نہیں سکتا، ٹورنٹولا مکڑی جالا نہیں بن سکتی، ہنگ برڈ چل نہیں سکتا اور مگرمچھ غذا چبا نہیں سکتا۔
* اگر گوبھی کے پتوں کو چبا چبا کر کھایا جائے تو ان سے حاصل ہونے والی توانائی سے زیادہ توانائی انہیں کھانے میں خرچ ہو جائے گی۔
* چاندی کا سب سے زیادہ استعمال فوٹوگرافی میں ہوتا ہے۔ دنیا بھر میں استعمال ہونے والی 35 فیصد چاندی اس کام میں استعمال ہوتی ہے۔
* کپڑے سینے والی سوئی پر بیس مرتبہ مقناطیس رگڑ دیجئے۔ وہ مقناطیس بن جائے گی۔
* مرغی کی الٹی ٹانگ اس کی سیدھی ٹانگ کے مقابلے میں زیادہ نازک ہوتی ہے۔

انتخاب: امان

ڈاؤن لوڈز

تحریر: اماں

1) گوگل ڈیسک ٹاپ

گوگل ویب سرچ انجن سے کون واقف نہیں ہو گا، جتنی مقبولیت اس سرچ انجن کو ملی ہے اتنی شاید انٹرنیٹ کی دنیا میں کسی کو نہ ملی ہو۔ گوگل کی ایک اور پروڈکٹ "گوگل ڈیسک ٹاپ"۔ اس کو انسٹال کر کے آپ اپنے پی سی میں کچھ بھی باآسانی سرچ کر سکتے ہیں۔ ویسے تو ونڈوز کا سرچ ٹول بھی موجود ہوتا ہے۔ مگر اس گوگل ڈیسک ٹاپ کو استعمال کرنے کے بعد اور اس کے آپشن دیکھنے کے بعد آپ یقیناً محسوس کریں گے کہ کون زیادہ بہتر ہے۔ ڈاؤن لوڈ کے لیے یہاں جائیں

http://desktop.google.com

2) ایکسل پاسورڈ ریمور

کسی بھی ایکسل فائل کا پاسورڈ ریموو کرنے کے لیے اس لنک سے یہ ایڈ آن ڈاؤن لوڈ کیجیے۔

http://sites.google.com/site/findsar...attredirects=0

انسٹال کرنے کے لیے:

* یہ فائل روٹ ڈرائیو کے فولڈر ڈاکومنٹس اینڈ سیٹنگز میں یوزر نیم کے فولڈر میں موجود اپلیکیشن ڈیٹا کے اندر مائیکرو سوفٹ فولڈر میں موجود ایڈ انز میں محفوظ کیجیے۔ مثال کے طور پر

C:\DOCUMENTS AND SETTINGS\AMAAN\APPLICATION DATA\MICROSOFT\ADDINS

* ایکسل اوپن کر کے، ٹولز مینو میں ایڈ انز پر کلک کریں۔ یہاں آپ کو اس ایڈ ان کا نام نظر آئے گا اس پر چیک لگا دیں۔ مزید تفصیل کے لیے یہاں جائیں۔ http://findsarfaraz.blogspot.com/200...l-add-ins.html

---اختتام---

آئی ٹی ٹپس / ٹرکس

تحریر: اماں

ایم ایس آفس

1) SAVE ALL ایک خفیہ کمانڈ

SAVE فائل مینو میں ایک کمانڈ پوشیدہ ہوتی ہے جس کا نام ہے، اسے ظاہر کرنے کے لیے شفٹ دبا کر فائل مینو ALL پر کلک کریں۔ یہ کمانڈ تمام کھلے ہوئے ڈاکومنٹس کو ایک ساتھ save کرنے کے لیے استعمال ہوتی ہے۔

2) پیراگراف ختم کریں

کبھی کبھار کوئی ٹیکسٹ کاپی پیسٹ کے چکر میں ورڈ ہر لائن کو ایک پیراگراف کی شکل دے دیتا ہے، خاص کر ای میل کو جیسے آؤٹ لک وغیرہ سے کاپی کریں تو۔ اس طرح کی صورتحال میں پیراگراف ختم کرنے کے لیے ALT کے ساتھ p^ کی فیلڈ میں FIND WHAT دبائیں اور پھر E کی فیلڈ کو خالی چھوڑ دیں یا ایک Replace ٹائپ کریں اور اسپیس دے دیں۔ اور Replace All کر دیں۔ لیں جی، ہو گئے پیراگراف ختم اور ایک تسلسل آ گیا۔

3) خالی سیل پر جانا

ایم ایس ایکسل میں ایک کالم میں کسی خالی سیل میں جانے کے لیے، آپ جس سیل میں اس وقت موجود ہیں، اس کے Bottom Border پر ڈبل کلک کریں، آپ اگلے خالی سیل Row کے اوپر والے سیل پر موجود ہوں گے۔ اسی طرح اگر Right کے خالی سیل پر جانا چاہتے ہیں تو کرنٹ سیل کے Border پر ڈبل کلک کریں۔

4) شیٹ ریفریش کرنا

F9 ایکسل میں کسی بھی شیٹ کو ریفریش کرنے کے لیے پریس کریں۔ ریفریش کرنے سے اس شیٹ پر کیے گئے تمام حسابی عمل دوبارہ کیے جائیں گے۔ جس سے نئے اور تازہ رزلٹ اپ ڈیٹ ہوتے رہیں گے اور آپ کے سامنے رہیں گے۔

5) فوری چارٹ

ایکسل میں چارٹ بنانے کا سب سے آسان طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے اپنا تمام ڈیٹا ایک ٹیبل میں لکھ لیں اور پھر اس ٹیبل کو سلیکٹ کر کے F11 دبائیں۔ چارٹ آپ کے سامنے حاضر۔

6) ایم ایس ورڈ کی یادداشت

ورڈ کے فائل مینو میں، سب سے نیچے آپ کی اوپن کی گئی آخری چار فائلز نظر آئیں گی۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ ان کی تعداد زیادہ ہو تو اس کے لیے، ٹولز مینو میں جا کر آپشن پر کلک کریں۔ جنرل ٹیب میں Recently Used File List کے سامنے باکس میں اپنی مرضی کی تعداد سلیکٹ کر لیں۔ اگر چیک باکس پر سے چیک ہٹا دیں تو پھر ورڈ کوئی بھی اوپن ہوئی فائل کو یاد نہیں رکھے گا۔

اڈوب فوٹوشاپ

1) برش سائز تبدیل کرنا

فوٹوشاپ میں برش ٹول یا کلون ٹول میں برش اسٹروک کا سائز بڑھانے یا کم کرنے کے لیے کی بورڈ سے] بڑھانے کے لیے اور [کم کرنے کے لیے استعمال کی جاسکتی ہیں۔ آسانی کے لیے یہ دونوں کیز P کے برابر میں ہوتی ہیں۔ اس سے کافی بچت ہوتی ہے وقت کی اور کام تیز رفتاری سے ہوتا ہے۔

2) لیئر سلیکشن

کسی بھی لیئر کی سلیکشن کے لیے اس لیئر پر کرسر لائیں اور کنٹرول دبا کر لیفٹ کلک کریں۔ اس لیئر پر جہاں جہاں پکسل موجود ہوں گے وہ اس کو سلیکٹ کر لے گا۔

---اختتام---

پراسرار دائرے

انتخاب: ادارہ

دنیا میں کبھی کبھی ایسے واقعات رونما ہوتے ہیں جو انسانی عقل کو حیرت میں ڈال دیتے ہیں اور سائنس ان کی کوئی توجیہہ پیش کرنے میں ناکام رہتی ہے۔ ایسے ہی حیرت انگیز واقعات 1970ء سے تسلسل کے ساتھ زیادہ تر یورپ کے کئی ملکوں میں پیش آ رہے ہیں۔ اور وہ ہیں کھیتوں میں بڑے بڑے دائروں اور جیومیٹری کے دلکش اور خوبصورت ڈیزائنوں کا بننا۔ یہ دائرے زیادہ تر گندم، مکئی اور جوار کے کھیتوں میں بنتے ہیں اور عموماً ایسے وقت میں بنتے ہیں جب فصل دانوں سے بھر چکی ہو یا پھر کٹائی کے قریب ہوتی ہے۔

کھیتوں میں نمودار ہونے والے پراسرار دائرے اور اشکال عموماً 30 سے 40 فٹ یا بعض اوقات اس سے بڑی ہوتی ہیں اور ان میں اتنی نفاست اور مہارت ہوتی ہے کہ یوں لگتا ہے جیسے کسی نے انہیں پرکار اور جیومیٹری کے دیگر آلات کی مدد سے بنایا ہے۔ بعض دائروں کے گرد چھلے کی شکل کی پگڈنڈیاں بھی ہوتی ہے۔ جو کبھی کبھی ایک دوسرے کو کاٹتے ہوئے خوبصورت پھول اور جیومیٹری کی دلکش اور پرکشش اشکال بناتی ہیں۔

ان دائرہ نما اشکال کو جب کسی بلند مقام سے دیکھا جائے، یا ان کا فضائی جائزہ لیا جائے تو وہ بہت دلکش لگتی ہیں اور دل بے اختیار ان کے تخلیق کار کو داد دینے کو چاہتا ہے۔ مگر دوسری جانب، جس علاقے میں یہ دائرے اور اشکال ظاہر ہوتی ہیں، وہاں خوف وہراس پھیل جاتا ہے۔ کیونکہ اکثر مقامی باشندے انہیں آسیب یا کسی دوسرے سیارے سے آنے والی مخلوق کا کام سمجھتے ہیں۔

پراسرار دائروں کی خبریں گذشتہ 40 سال سے منظر عام پر آ رہی ہیں مگر حالیہ برسوں میں ان کی تعداد میں نمایاں اضافہ ہو چکا ہے۔ اور اب وہ برطانیہ کے ونچسٹر کے دیہی علاقوں تک ہی محدود نہیں رہے بلکہ افریقہ کے صحراؤں سے آسٹریلیا کے دور افتادہ علاقوں تک میں نمودار ہو رہے ہیں۔

پراسرار دائرے کون بنا رہا ہے؟

1972ء میں دو برطانوی باشندوں آرتھر شٹل وڈ اور برائس بانڈ نے دعویٰ کیا تھا کہ انہوں نے سٹال ہل کے علاقے میں رات کی تاریکی میں ایک اڑن طشتری دیکھی۔ جس سے نکلنے والی تیز روشنی نے ایک قریبی کھیت میں کھڑی فصل پر دائرہ بنایا۔ جس سے دائرے کے اندر کھڑے پودے گر گئے اور اڑن طشتری وہاں سے چلی گئی۔

کچھ عرصے کے بعد برٹش کولمبیا میں آٹھ افراد نے یہ گواہی دی کہ انہوں نے اڑن طشتریوں کو فصلوں کے دائرے بناتے ہوئے دیکھا ہے۔

کئی لوگوں کا خیال ہے کہ پراسرار دائرے آسیب یا جنات بنا رہے

ہیں۔ کیونکہ یہ دائرے اکثر ان علاقوں کی فصلوں میں بنتے ہیں جہاں آس پاس قبل از مسیح آبادیوں کے کھنڈرات یا باقیات موجود ہیں۔ مثلاً برطانیہ میں سالسبری اور سٹون ہینج، لانگ باروز اور چاک ہارسز وغیرہ کے علاقے۔

بعض ماہرین کا کہنا ہے کہ ان دائروں کی تخلیق میں زمین کی مقناطیسی لہروں کا ہاتھ ہے، کیونکہ جن علاقوں میں یہ دائرے ظاہر ہوتے ہیں وہاں عموماً مقناطیسی لہریں بہت طاقتور ہیں۔

ماحولیات کے ماہرین کا کہنا ہے کہ آلودگی اور عالمی درجہ حرارت میں مسلسل اضافہ پراسرار دائروں کا ایک سبب ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جیسے جیسے عالمی درجہ حرارت بڑھ رہا ہے، دائروں کی تعداد میں بھی اضافہ ہو رہا ہے۔

آسٹریلیا کے برائن سالر نے اپنے ایک مضمون میں کہا ہے کہ انہیں پراسرار دائروں کے اندر آواز کی ہائی فریکوئنسی لہروں کی موجودگی کے شواہد ملے ہیں۔

جب کہ کئی ماہرین نے پراسرار دائروں کے اندر تابکاری کی پیمائش بھی کی ہے، لیکن وہ یہ بتانے سے قاصر رہے ہیں کہ کھیت کے اس مخصوص حصے میں تابکاری کہاں سے آئی۔

دائروں کا طلسم

برطانیہ کے ایک ریسرچر چرچ اینڈرز نے اپنی تحقیق میں لکھا ہے کہ دائروں کے اندر تابکاری کے شواہد موجود تھے۔ قطب نما کام نہیں کر رہا تھا۔ موبائل فونز کے سگنلز وصول نہیں ہو رہے تھے۔ کیمرہ اور بجلی کے دیگر آلات نے اپنا کام چھوڑ دیا تھا۔ دائرے میں داخل ہونے والے افراد نے

سر درد، متلی اور جسم کے مختلف حصوں میں درد کی شکایت کی اوران کی یہ کیفیت کئی دن بعد تک برقرار رہی۔ جب کہ دائرے کے قریب کھڑی گاڑیوں کی بیٹریاں ناکارہ ہو گئیں۔ اینڈرز کا کہنا ہے کہ دائرے کے اندر موجود پودے ایک خاص انداز میں زمین پر گرے ہوئے تھے۔ جب ان پر تجربات کیے گئے تو پتا چلا کہ کسی انتہائی گرم لہر کے گذرنے سے پودوں کے تنوں کے نچلے حصوں کے خلیے کمزور ہو گئے تھے۔ اور ان میں کھڑا رہنے کی سکت باقی نہیں رہی تھی۔ لیکن اگلے سال زمین کے متاثرہ حصے میں بوئی جانے والی فصل کی پیداوار تقریباً 40 فی صد زیادہ ہوئی۔

حیرت انگیز بات یہ ہے فصلوں میں یہ دائرے عموماً رات کی تاریکی میں بنتے ہیں۔ اکثر اوقات یہ عمل رات کے ساڑھے گیارہ اور صبح چار بجے کے درمیان ہوتا ہے اور دائرہ یا ڈیزائن بننے میں ایک منٹ سے بھی کم وقت لگتا ہے۔

70 کے عشرے کے بعد سے 2011ء تک دنیا کے مختلف ملکوں میں فصلوں کے دس ہزار سے زیادہ پر اسرار دائرے اور اشکال رپورٹ ہو چکی ہیں۔ یہ اشکال تقریباً 1900 اقسام کی ہیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ 90 فی صد دائرے برطانیہ میں دیکھے گئے ہیں جب کہ باقی دس فی صد کا تعلق امریکہ، افریقہ، کینیڈا، آسٹریلیا، جنوبی امریکہ، روس اور جاپان سے ہے۔

انسانی ہاتھ

1991ء میں جریدے سائنٹیفک امریکن میں میٹ ریڈلی کا ایک مضمون شائع ہوا جس میں یہ دعویٰ کیا گیا تھا کہ انہوں نے لوگوں کو بے وقوف بنانے کے لیے ایک رسی اور لکڑی کے ایک ٹکڑے کی مدد سے شمالی انگلستان میں دائرے بنائے تھے۔

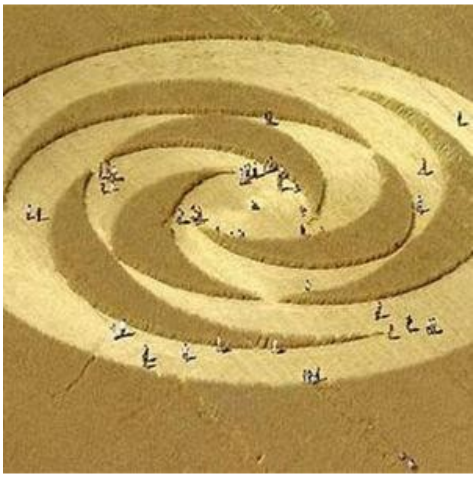

سائنسی جریدے 'فزکس ورلڈ' کے جولائی کے شمارے میں یونیورسٹی آف آریگان کے میٹریلز سائنس انسٹی ٹیوٹ کے ڈائریکٹر ٹیلر کا ایک مضمون شائع ہوا ہے، جس میں کہا گیا ہے کہ کھڑی فصلوں میں اس طرح کے دائرے لیزر کی شعاعوں، مائیکروویوز اور گلوبل پوزیشننگ سسٹم، یعنی جی پی ایس کی مدد سے بنائے جاسکتے ہیں۔

مگر یہ سوال تشنہ ہے کہ دور افتادہ دیہی علاقوں میں جدید سائنسی آلات کی مدد سے، سب کی نظروں سے چھپ کر دائرے بنانے کے مقاصد کیا ہیں؟ اگر چند مہم جو افراد یہ کام کر رہے ہیں تو ایسی ہزاروں کارروائیوں کے باوجود ان میں سے کسی کو آج تک پکڑا یا دیکھا کیوں نہیں جاسکا۔

پر اسرار دائرے مسلسل بن رہے ہیں۔ مگر کسی کے پاس اس سوال کا تسلی بخش جواب نہیں ہے کہ انہیں کون بنا رہا ہے اور کیوں بنا رہا ہے۔

بشکریہ وائس آف امریکہ

---اختتام---

دلچسپ و عجیب خبریں

انتخاب: امان

پہر میں تاریکی: 19 مئی 1780ء کی چمکیلی دوپہر میں اچانک تاریکی پھیل گئی۔ نیو انگلینڈ اسٹیٹس کے ایک گاؤں پر دھواں دار سیاہی چھا گئی۔ تجزیے کے مطابق یہ گہرا کالا دھواں ملک کے مغربی حصے کے جنگلات میں آگ لگنے سے وجود میں آیا تھا۔ سہ پہر میں اس قدر تاریکی پھیل گئی تھی کہ لوگوں نے موم بتیاں جلائیں روشنی کے لیے۔

آسمانی کباب: امریکہ میں شمال مشرقی کنٹکی کے رہائشیوں نے مارچ 1876 کو ایک عجیب و غریب واقعہ دیکھا۔ آسمان سے یکایک بھنے ہوئے تکے اور گوشت کے ٹکڑے برسنا شروع ہو گئے۔ چند لوگوں نے انہیں چکھنے کی ہمت بھی کی اور ان کا ذائقہ بھنے ہوئے گوشت سے مماثل بتایا۔ غالباً اس کی وجہ یہی ہے کہ آسمانی بجلی، اڑتے پرندوں کے غول پر مہربان ہوئی تھی اور پرندے بھنے ہوئے تکوں کی شکل میں زمین پر آ گرے۔

دیوانہ درجہ حرارت: امریکی ریاست ڈکوٹا کے جنوب میں اسپئیر فش نامی ایک چھوٹے سے قصبے میں صرف دو منٹ میں درجہ حرارت 4 سے 45 درجے فیرن ائٹ تک جا پہنچا تھا۔ درجہ حرارت کی یہ تبدیلی اتنی اچانک تھی کہ یکے بعد دیگرے کھڑکیوں کے شیشے اور پلیٹیں چٹخنے لگیں۔ وجہ یہ ہے کہ اس علاقے میں بحر الکاہل کے امریکی ساحل پر چلنے والی گرم مرطوب جنوب مغربی ہوائیں آتی رہتی ہیں۔ ان ہواؤں کو "مرطوب شنوک بھی" کہا جاتا ہے۔ یہ واقعہ 22 جنوری 1943ء کو پیش آیا۔

مچھلیوں کی بارش: 29 مئی 1892ء کو الاسکا کے علاقے کول برگ میں دھواں دار بارش کے ساتھ بڑی تعداد میں ایل مچھلیاں برسنے لگیں۔ شاید قریبی سمندر یا جھیل سے (eel) پانی پر بننے والے طوفانی بگولے نے ان مچھلیوں کو اٹھا کر خشکی پر دے مارا تھا۔ (یہ واقعات، ایریزونا اسٹیٹ یونیورسٹی میں موسمیات کے نائب پروفیسر، رینڈی کیروینی کا تحریر کردہ ہے جو، "سائنٹفک امریکن پریزنٹس" کی جلد نمبر 11، شمارہ نمبر 1 میں شائع ہوا تھا۔)

گوشہ خواتین

سبزیوں کی افادیت

تحریر: ہما جاوید

سبزیوں کی اہمیت اور فوائد سے آگاہ ہوتے ہی لوگ تیزی سے اس کا روزمرہ استعمال شروع کر دیتے ہیں۔ سبزیاں عموماً بہت بے ضرر ہوتی ہیں اور صحیح طریقے سے پکائی جائیں تو بے انتہا لذیذ بھی ہوتی ہیں۔ اور صحت بخش تو ہیں ہی تو پکانے پر بھی توجہ دینی چاہیے۔

کچھ مزید سبزیوں کے فوائد حاضر ہیں:

شملہ مرچ:

دل کے امراض میں مفید ہے۔ بلڈ پریشر کم کرتی ہے۔

کولیسٹرول کم کرنے میں بھی مدد دیتی ہے جس کی وجہ سے ہارٹ اٹیک سے بچاؤ میں مدد ملتی ہے۔

زکام، بخار اور جسمانی درد سے بھی آرام پہنچانے میں معاون ہے۔

ہاضمہ لاتی ہے۔

ذیابیطس میں بھی مفید ہے۔

کینسر سے بچانے میں بھی معاون ہے۔

اس کے علاوہ حرارے جلانے میں بھی مدد دیتی ہے۔

مضر اثرات:

زیادہ استعمال سے پیٹ خراب ہو سکتا ہے۔

پیاز:

پیاز میں ایسے اجزاء وافر مقدار میں موجود ہیں جو کینسر سے بچاؤ اور شوگر خاص طور پر بلڈ شوگر میں انتہائی نافع ہیں۔

ہائی بلڈ پریشر میں بہت فائدہ مند ہے۔

پیٹ کے کیڑے مارتا ہے۔

لو لگنے کے دنوں میں پیاز کاٹ کر اور سرکہ ڈال کر کھانا بہت فائدہ مند ہے۔

اس کے علاوہ کھانسی، دمہ، نزلہ زکام اور نمونیے میں بھی استعمال مفید سمجھا جاتا ہے۔

گرمیوں میں اکثر دانے نکل آتے ہیں بچوں کو اور بڑوں کو بھی۔ بہت درد کرتے ہیں۔ تو ان کو توڑنے اور گند نکالنے کے لیے پیاز کے دو تین پرتوں کو ہلکا سا گرم کر کے دانے پر رکھا جائے تو ٹوٹ جاتا ہے اور گند نکل جاتا ہے جس سے آرام ملتا ہے۔

پیاز میں موجود آئرن فوراً خون میں جذب ہو جاتے ہیں اور اس طرح خون کی کمی کا علاج ہو جاتا ہے۔

پیاز کاٹنے سے آنکھوں سے جو پانی بہتا ہے اس سے بینائی کو فائدہ ملتا ہے اور آنکھیں بھی صاف ہو جاتی ہیں۔

لیموں، ہری مرچ، پودینہ اور پیاز کی چٹنی ہاضمے کے لیے خوب ہے۔

ہیضے کے لیے پیاز کا پانی بہترین ہے۔

پیاز کھانے سے جسم سے زہریلے فضلات خارج ہو جاتے ہیں اور گیس نہیں بنتی۔

جسم پر تل یا یاہ دھبے پڑ جائیں تو پیاز کے ٹکڑے کر کے اور نمک کے پانی میں ڈبو کر ملنے سے صاف ہو جاتے ہیں۔

غرض پیاز کھانے کے بے شمار فوائد ہیں۔ یہ ایک انتہائی مفید سبزی ہے۔ اسے روزمرہ کے استعمال میں رکھنا چاہیے۔

مضر اثرات:

اس کی زیادتی نسیان کا مرض پیدا کرتی ہے۔

مالیخولیا کے مریضوں کو نہیں استعمال کرنا چاہیے۔

بعض لوگوں کو پیاز کھانے سے آدھے سر کا درد ہوتا ہے۔

اور زیادہ کھانے سے معدے کی تیزابیت کی شکایت بھی ہو جاتی ہے۔

لہسن:

لہسن صرف ایک مفید سبزی ہی نہیں بلکہ یہ ایک اہم جڑی

بوٹی بھی سمجھی جاتی ہے جس سے کئی بیماریوں کا علاج کیا جاتا ہے۔

اس کی تیز بو میں بھی کئی بیماریوں سے شفا ہے۔زبردست جراثیم کش دوا بھی ہے۔

بلڈ پریشر کنٹرول کرنے میں انتہائی زبردست ہے۔

اس لیے ہائی بلڈ پریشر کے مریضوں کو لہسن ضرور استعمال کرنا چاہیے۔

لہسن کولیسٹرول لیول کو بڑھنے نہیں دیتا۔اگر دل کے دورے کے بعد لہسن استعمال کیا جائے تو کولیسٹرول کا لیول کم رہتا ہے اور مزید دورہ پڑنے کے امکانات بہت کم ہو جاتے ہیں۔

لہسن کینسر کے خلاف بھی ایک مؤثر ہتھیار ہے۔

اگر زخم پر لہسن کا عرق ایک حصہ اور تین حصے پانی کا محلول بنا کر دھویا جائے تو زخم تیزی سے بھرتا ہے۔اسے ایگزیما کے لیے بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔

نزلہ زکام اور گلے کی خرابی کے لیے بھی بہترین ہے۔

کالی کھانسی، پھیپھڑوں کی ٹی بی اور سینے کے بلغم وغیرہ میں لہسن کا استعمال بہت مفید ہے۔اطباء کہتے ہیں کہ لہسن کے ایک دو جوئے ایک کپ دودھ میں ابال کر گرم پی لیں۔ان امراض میں افاقہ ہو گا۔

لہسن کو غریبوں کا ٹانک بھی کہا جاتا ہے۔لہسن کے روزمرہ استعمال سے بدن مضبوط اور توانا رہتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ آج کل دنیا میں لہسن کا استعمال بہت ہونے لگا ہے۔لہسن مکھن میں ملا کر ڈِپ بھی بنائے جاتے ہیں جو کہ بہت مفید ہیں۔لہسن کی چٹنی اور اچار وغیرہ بھی استعمال کرنا مفید ہے۔

لہسن کے تین جوئے دودھ میں ابال کر رات کو پینے سے دمے کی تکلیف کم ہو جاتی ہے۔

پیٹ کے کیڑے مارنے میں بھی بہت مفید ہے۔

کیل مہاسوں پر لہسن چھیل کر رگڑیں تو ختم ہو جاتے ہیں۔اور اس میں لہسن کھانا بھی مفید ہے۔

کہتے ہیں کہ آلو ایک چھٹانک، ادرک چھ ماشے، لہسن تین ماشے اور گھی حسب ضرورت لے کر بھجیا بنا لیں اور ایک وقت یا دونوں وقت کھا لیں تو یہ نزلہ زکام کا اکسیر علاج ہے۔پرانے نزلے زکام میں ہفتہ دس دن استعمال کریں۔

غرض لہسن ایک ایسی زبردست سبزی ہے کہ اسے روزمرہ استعمال میں رکھنا چاہیے۔

مضر اثرات:

لہسن کا زیادہ استعمال قوت بینائی میں کمی کرتا ہے۔

صفرا کی زیادتی ہو سکتی ہے۔

جلدی امراض میں استعمال نہیں کرنا چاہیے۔

لو بلڈ پریشر والوں کو بھی کم استعمال کرنا چاہیے۔

دودھ پینے والے بچے کو اگر لہسن کھلایا جائے تو وہ اس کے معدے میں دودھ خراب کرنے لگتا ہے اور پھر بچہ دل کے مرض میں مبتلا ہو سکتا ہے۔

مدد: قدرتی غذاؤں کا انسائیکلوپیڈیا نامی کتاب سے بھی لی گئی ہے۔

کتاب.......!!!!

ایک پڑوسن نے دوسری سے ایک کتاب پڑھنے کے لیے مانگی۔دوسری نے کہا" بہن میں کتاب دیا نہیں کرتی۔آپ یہاں بیٹھ کر جتنی چاہیں پڑھ لیں۔"

چند روز بعد دوسری پڑوسن پہلی کے گھر گئی اور جھاڑو مانگی۔

پہلی نے کہا" بہن میں کسی کو جھاڑو نہیں دیا کرتی، آپ کو جتنی جھاڑو دینی ہو، یہاں میرے گھر میں دے دیں۔....

مرسلہ: عبداللہ

حیدر آبادی چکن

ترکیب: ہرڈ

اجزاء

چکن---1 کلو

دہی---250 گرام

املی کا پانی (گاڑھا)---2 کھانے کے چمچ

پیاز---2 عدد (درمیانے سائز کی)

لہسن---1 کھانے کا چمچ (پِسا ہوا)

ادرک---1 کھانے کا چمچ (پِسا ہوا)

ہری مرچ---1 کھانے کا چمچ (باریک کٹی ہوئی)

کری پتہ---5 سے 6 عدد

بُھنا اور پِسا ہوا سفید تل---1 کھانے کا چمچ

بُھنا اور پِسا ہوا ناریل---1 کھانے کا چمچ

خشخاش پِسا ہوا---1 کھانے کا چمچ

بُھنا اور پِسا ہوا زیرہ---آدھا چائے کا چمچ

نمک---1 چائے کا چمچ یا حسبِ ذائقہ

سرخ مرچ---1 چائے کا چمچ (پِسی ہوئی)

کالی مرچ---آدھا چائے کا چمچ (پِسی ہوئی)

ہلدی---آدھا چائے کا چمچ

باریک کٹا ہوا ہرا دھنیہ اور پودینہ تھوڑا سا

تیل---حسبِ ضرورت

ترکیب:-

ایک پین میں تیل گرم کر کے اس میں پیاز براؤن کر لیں۔

پھر اس میں ادرک، لہسن ڈال کر دو سے تین منٹ بھونیں۔
اب اس میں کری پتے، زیرہ، خشخاش اور تل ڈال کر ایک منٹ بھونیں اور پھر چکن شامل کر دیں۔
آٹھ سے دس منٹ چکن کو ان مسالوں کے ساتھ بھونیں۔
پھر اس میں دہی، نمک، سرخ مرچ، کالی مرچ، ہلدی اور پسا ہوا ناریل ڈال کر اتنا بھونیں کہ چکن گل جائے اور اس کا پانی خشک ہو جائے۔ آخر میں ہری مرچ، ہرا دھنیہ، پودینہ اور املی کا پانی ڈال کر پانچ منٹ دم پر پکائیں۔
مزیدار حیدرآبادی چکن تیار ہے۔
نان یا چپاتی کے ساتھ سرو کریں۔

مرغ ٹماٹر اور چاول

ترکیب: جیا احمد

ابلے ہوئے چاول دو سے ڈھائی کپ
ثابت زیرہ 1 چائے کا چمچ
آدھا کلو بون لیس چکن کیوبز میں کٹی ہوئی
دو ٹماٹر باریک کٹے ہوئے
نمک 1 چمچ
کالی مرچ کٹی ہوئی آدھا چائے کا چمچ
لال مرچ دو چائے کے چمچ
ہرا دھنیا آدھی گڈھی کٹا ہوا
پودینہ آدھی گڈھی کٹا ہوا
ہلدی 1/4 چائے کا چمچ
ادرک لہسن پسا ہوا 1 ایک چمچ
ٹماٹو پیوری چار چمچ

پیاز دو درمیانی سلائس میں کٹی ہوئی

ترکیب:
پہلے 1/4 کپ تیل میں پیاز سنہری ہونے تک فرائی کریں، پھر ادرک لہسن، زیرہ، کٹے ہوئے ٹماٹر اور سارے مصالحے ڈال دیں، اب مرغی ڈال کر اچھی طرح فرائی کریں آدھ گلی ہو جائے تو تھوڑا پانی اور ٹماٹو پیوری، پودینہ، ہرا دھنیا۔ ،ڈال کر ڈھانک کر پکالیں۔ پکنے کے بعد چولھا بند کر دیں۔ اب ایک اوون پروف ڈش میں پہلے تھوڑا تیل لگا کر ابلے ہوئے چاول ڈالیں اور سائیڈوں میں یہ ٹماٹر مرغ ڈال دیں الومنیم فوائل لگا کر دس منٹ پہلے سے گرم کئے اوون میں بیک کر لیں۔ رائتے چٹنی کے ساتھ تناول کریں، یہ بچوں کی پسندیدہ ڈش ہے۔

زردہ رنگین

ترکیب: جیا احمد

اجزاء:
باسمتی چاول-----چار کپ
زردے کا رنگ-----1/2 چائے کا چمچ
الائچی-----دس عدد
کیوڑہ-----چند قطرے
چینی------چار کپ
ہیوی کریم-----تین کھانے کے چمچے
بادام-----ایک کھانے کا چمچ (کٹے ہوئے چھلے ہوئے)
اخروٹ------ایک کھانے کا چمچ (کٹے ہوئے)
پستے------ایک کھانے کا چمچ (کٹے ہوئے)
کشمش-----ایک کھانے کا چمچ
تیل-----دو کھانے کے چمچ
کینو کے چھلکے-----دو کھانے کے چمچے (باریک کاٹ لیں)

ترکیب:
چاولوں کو ایک گھنٹے کے لئے پانی میں بھگو دیں۔
پانی میں آدھی الائچی اور زردے کا رنگ ڈال کر ایک دیگچی میں اُبالیں۔ (پانی اگر کافی سارا بھی لیں گے تو کوئی بات نہیں

باقی پانی تو ہم پھینک دیں گے۔) پھر چاول ڈال دیں، تقریباً بیس منٹ ہلکی آنچ پر، نرم ہونے تک پکائیں۔۔ اب چاولوں کو نتھار لیں۔
دوسری دیگچی میں ہلکی آنچ پر تیل یا گھی، الائچی ڈال کر کڑکڑائیں، پھر پکے ہوئے چاول ڈال دیں اور ساتھ ہی چینی اور کیوڑا بھی ڈال دیں۔ اب ڈھکن لگا کر 5 منٹ پکائیں۔۔ اب ڈش آؤٹ کریں۔ کٹا ہوا کھوپرا، بادام، پستہ، کشمش، اخروٹ، کریم یا بالائی، اشرفیاں اور، اورنج پیل گلاب جامن سے سجاوٹ کریں۔
اشرفیوں کے لئے باریک باریک پیتے کے ٹکڑے کر لیں اور اس کو ہرے اور لال فوڈ کلر میں ڈپ کریں۔ اور پھر سکھا کر اسکو اشرفیوں کے طور پر زردے کے اوپر ڈال کر گرم پیش کریں۔

نوٹ

گزشتہ شمارے میں خواتین کارنر میں مونگ کی دال کے پراٹھے کی ترکیب کے ساتھ سہواً ہرڈ کا نام لکھ دیا گیا جبکہ یہ ترکیب جیا احمد نے ارسال کی تھی۔ ادارہ اس غلطی پہ معذرت خواہ ہے۔

شمیم آرا

تحریر: دلپسند سیال

پاکستان فلم انڈسٹری کے سنہری دور میں 1956 کا سال اس حوالے سے یادگار ہے کہ اس سال بہت سے نئے فنکار فلم انڈسٹری میں آئے جنہوں نے آنے والے برسوں میں اپنے فن کا لوہا منوایا اور کامیاب فلمیں بنائیں۔ گلوکاروں میں احمد رشدی نے فلم انوکھی کے گانے گا کر اپنے فلمی کیریئر کا آغاز کیا اور مہدی حسن نے فلم شکار کے لیے پہلی مرتبہ پلے بیک سنگر کے گایا۔ ان کے علاوہ نسیم بیگم۔ نزیز بیگم اور ناہید نیازی نے بھی اسی سال بطور پلے بیک سنگر کے فلمی انڈسٹری میں شامل ہوئیں۔

1956ء میں ہی پاکستان کے فلم انڈسٹری کے لیجینڈ موسیقار خورشید انور نے فلم انتظار کی موسیقی دے کر اپنے فلمی کیریئر کا آغاز کیا۔ ان کے علاوہ موسیقار تصدق حسین نے بھی اسی سال فلم چھوٹی بیگم کی موسیقی ترتیب دی اور۔ موسیقار ناتو خان، موسیقار رحمان ورما بھی اسی سال بطور موسیقار فلم انڈسٹری میں آئے۔

مشہور ہدایتکار اسلم ایرانی نے بھی 1956ء میں فلم "پون" سے بطور ہدایتکار کے کام شروع کیا۔ جبکہ اداکاروں میں۔ اعجاز فلم حمیدہ۔ اداکار حبیب فلم لخت جگر۔ اداکار سلطان راہی فلم باغی۔ اکمل فلم جبرو۔ لہری فلم انوکھی۔ ساون فلم کارنامہ ۔ اداکارہ بہار فلم چن ماہی۔ جمیلہ رزاق فلم انتخاب۔ بیناشوری فلم مس 56۔ نیلو فلم صابرہ۔ اور اداکارہ شمیم آرا نے فلم کنواری بیوہ سے اپنے فلمی کیریئر کا آغاز کیا۔

1956ء میں فلم "کنواری بیوہ" سے اپنے فلمی کیریئر کا آغاز کرنے والی سانولی سلونی سی اداکارہ شمیم آرا نے آنے والوں برسوں میں اپنی اداکاری کا لوہا منوایا اور صف اول کی اداکاراؤں میں شامل ہو گئیں۔ سانولی سلونی، لمبے بالوں والی معصوم صورت شرمیلی سی شمیم آرا نے اپنی لازوال اداکاری، سریلی آواز اور چہرے کے بھرپور تصورات سے ڈائلاگ کی ادائیگی سے فلم بینوں کے دل موہ لیے۔ بہت سی فلموں میں انہوں نے لازوال اداکاری کی اور اپنے وقت کے تمام بڑے ہیروز کے ساتھ کام کیا۔ ان کی زیادہ تر فلمیں اداکار وحید مراد کے ساتھ تھیں۔

شمیم آرا 1942ء میں اترپردیش کے شہر علی گڑھ میں پیدا ہوئیں۔ ان کا اصلی نام پتلی بائی تھا۔ ان کی والدہ ایک مشہور ڈانسر تھی جبکہ والد آگرہ کے ایک متوسط اور شریف گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ والدہ کی وفات کے بعد شمیم آرا اور ان کی چھوٹی بہن کی پرورش کی ذمہ داری ان کی نانی کے سپرد کر دی گئی۔ نانی نے شمیم آرا کو ڈانس کی تربیت دینا شروع کر دی۔ شمیم آرا کے والد ڈانس کے سخت خلاف تھے مگر کچھ وجوہات کی بناء پر وہ مجبور تھے اس لیے انہوں نے ان لوگوں سے ہمیشہ کے لیے قطع تعلق کر لیا۔ پاکستان بننے کے بعد یہ لوگ ہجرت کر کے کراچی میں آباد ہو گئے۔ پاکستان آنے کے بعد بھی شمیم آرا کی اپنے والد سے ملاقات نہ ہوئی جو کہ وہ بھی پاکستان آ چکے تھے۔ یہاں تک کہ شمیم آرا پاکستان فلم انڈسٹری کی ایک مشہور اداکارہ بن گئی لیکن انہوں نے ان سے ملنا گوارانہ کیا۔

کراچی آنے کے بعد نانی نے جنہیں شمیم آرا "ماں جی" کہتی تھیں نے شمیم آرا کے لیے فلموں میں کام حاصل کرنے کے لیے مختلف فلمی شخصیات سے رابطے شروع کر دیئے۔ اس وقت کراچی میں بھی فلمیں بنتی تھیں۔ شمیم آرا کی پتلی آواز اور کمزور جسم کی وجہ سے بہت سے ہدایتکاروں نے ریجیکٹ کر دیا۔ ماں جی نے شمیم آرا پر محنت شروع کر دی۔ بول چال ،چال ڈھال وغیرہ پر خصوصی توجہ دی جس کی وجہ سے شمیم آرا کی جونک ہی بدل گئی۔ انہیں فلم میں پہلا چانس ہدایتکار نجم نقوی نے اپنی فلم "کنواری بیوہ" میں دیا۔ پہلی فلم اگرچہ ناکام ہوئی لیکن شمیم آرا کے لیے فلم انڈسٹری کے دروازے کھل گئے۔

شمیم آرا کو شہرت فلم "سہیلی" سے ملی۔ اس کے بعد کامیابی ان کے قدم چومنے لگی۔ انہوں نے ایک سو سے زائد فلموں میں کام کیا جن میں سے پچاس کے قریب فلمیں ڈائمنڈ جوبلی، گولڈن جوبلی، سلور جوبلی، سپرہٹ اور ہٹ ثابت ہوئیں۔

شمیم آرا بہت ہی ذہین اور سمجھ دار خاتون ہیں۔ ان کے اندر ہر چیز کے بارے میں جاننے اور سمجھنے کا مادہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر چیز بارے جاننے اور سمجھنے کی لگن نے ہی انہیں کامیاب اداکارہ کے بعد کامیاب فلم ساز اور ہدایت کارہ بننے میں مدد دی۔ جب انہوں نے فلمسازی کے شعبے میں قدم رکھا تو اس بارے پوری معلومات حاصل کیں

اور پھر فلم ساز کی پوری ذمے داریاں بڑے احسن طریقے سے نبھائیں۔ اسی طرح جب انہوں نے ہدایت کاری کا فیصلہ کیا تو اپنے وقت کے مشہور ہدایت کاروں سے معلومات حاصل کیں ۔بطور فلم ساز ان کی پہلی فلم "صاعقہ" نے گولڈن جوبلی منائی۔ آگے چل کر انہوں نے ہدائیتکاری کے شعبے میں قدم رکھا تو کامیابی یہاں بھی ان کے ہمکنار ہوئی۔ ان کی بطورہ ہدائیتکارہ پہلی فلم بھول تھی جو کہ بزنس کے حوالے سے کامیاب رہی لیکن ان کی بعد میں آنے والی فلمیں سپرہٹ ثابت ہوئیں۔

شمیم آرا میں خود اعتمادی بہت زیادہ تھی جس کی وجہ سے وہ ایک کامیاب ہدایت کارہ بن پائیں اور پاکستان کے علاوہ دوسرے ملکوں میں بڑی کامیابی سے فلموں کی شوٹنگ کی ان کی "مس" سیریز کی سب فلمیں غیر ملکوں میں بنی ہوئی ہیں۔

انہوں نے ہر مشکلات کا بڑی خوبی سے سامنا کیا اور ایک ہدایت کارہ کے طور پر اپنے تمام یونٹ کو بڑی خوبصورتی سے ہینڈل کیا اور ان کی تمام ضروریات کا خیال رکھا۔ وہ بہت ہی نرم دل خاتون ہیں۔ بڑی سے بڑی غلطی پر بھی کبھی یونٹ کے کسی شخص کو نہ توڈانٹا اور نہ ہی سزا دی اور یہ وجہ تھی کہ یونٹ کے ہر فرد نے مزید توجہ اور محنت سے اپنے کام کو سرانجام دیا۔

شمیم آرا جب خود اداکارہ تھیں تو کم و بیش ہر فلم میں اس کا کردار ایک روتی دھوتی اور مظلوم عورت کا ہوتا تھا۔ لیکن جب وہ ہدایت کارہ بنیں تو ان کی فلموں کی ہیروئن مار دھاڑ

ہر فلم میں مجھے دھکے ملتے تھے کہ گھر سے نکل جاؤ۔اور میں در در کی ٹھوکریں کھاتی پھرتی تھی لیکن جب میں ہدایت کارہ بنی تو ایک تو اس وقت ماحول بدل چکا تھا اور دوسرا میں معاشرے کو یہ بتانا چاہتی تھی کہ عورت بھی مرد کے شانہ بشانہ چل سکتی ہے اور اپنے حق کی خاطر لڑ سکتی ہے۔انہوں نے "مس" سیریز کے بعد "لیڈی" سیریز بنائی جن میں۔"لیڈی کمانڈو" اور "لیڈی اسمگلر" قابل ذکر ہیں۔

شمیم آرا بطور اداکارہ

معروف ہدایتکار نجم نقوی کو اپنی فلم "کنوری بیوہ" کے لیے ایک نئے چہرے کی تلاش تھی۔کسی نے اسے شمیم آرا کے بارے میں بتایا تو وہ شمیم آرا سے ملاقات کرنے ان کے گھر گئے اور شمیم آرا کو اپنی فلم کے لیے پسند کر لیا اور اسے اپنی فلم "کنواری بیوہ" میں شمیم آرا کے فلمی نام سے متعارف کرایا اور یوں تپلی بائی شمیم آرا کے نام سے فلم انڈسٹری میں داخل ہوئی۔فلم "کنواری بیوہ" اگرچہ ناکام فلم تھی لیکن شمیم آرا کے لیے شوبزنس کے دروازے کھل گئے۔1956ء میں ان کی دوسری فلم "مس 56" تھی جو کہ ایک فلاپ فلم تھی۔

1958ء میں ریلیز ہونے والی ہدایتکار انور کمال پاشا کی سپر ہٹ فلم "انار کلی" میں شمیم آرا نے انار کلی کی چھوٹی بہن کا کردار ادا کیا۔جبکہ انار کلی کا کردار میڈم نور جہاں نے کیا تھا۔فلم انار کلی۔امتیاز علی تاج کے ناول "انار کلی" سے ماخوذ تھی۔اس فلم کی موسیقی رشید عطرے اور ماسٹر عنایت حسین نے دی تھی۔نغمات قتیل شفائی کے تھے اور گلوکارہ نور جہاں تھیں۔اس فلم کے تمام نغمے بہت مشہور ہوئے۔اس فلم کا ایک مشہور گانا (جلتے ہیں ارمان میرا دل روتا ہے) نور جہاں کا گایا ہوا ہے جو آج بھی پسند کیا جاتا ہے۔

ء میں ہی شمیم آرا کی ایک اور فلم "واہ رے زمانے" ریلیز ہوئی جس میں ہیرو اداکار اعجاز تھے۔یہ فلم ناکامی سے دوچار ہوئی۔

1959ء میں شمیم آرا کی سات فلمیں ریلیز ہوئیں۔عالم آرا، فیصلہ، راز، سویرا، اپنا پرایا، جائداد اور مظلوم۔راز، سویرا اور اپنا پرایا یہ تین فلمیں کامیاب ہوئیں جبکہ باقی فلمیں بری طرح فلاپ ہوئیں۔ان سبھی فلموں میں شمیم آرا نے سائڈ رول ادا کیا تھا۔

1960ء میں ریلیز ہونے والی ہدایتکار ایس ایم یوسف کی فلم "سہیلی" ایک سپر ہٹ فلم تھی۔اس کے نمایاں اداکاروں میں نیئر سلطانہ، درپن، شمیم آرا، بہار اور اسلم پرویز تھے۔موسیقار اے حمید تھے اور نغمات فیاض ہاشمی نے لکھے تھے جبکہ گلوکار سلیم رضا اور گلوکارہ نسیم بیگم نے ان نغمات کو اپنی مدھر آواز میں سجایا تھا۔اس فلم کے تمام گانے بہت مشہور ہوئے تھے۔جن میں نسیم بیگم کا گایا گانا (ہم بھول گئے ہر بات مگر تیرا پیار نہیں بھولے) آج بھی سنا اور پسند کیا جاتا ہے۔

1961ء میں ان کی تین فلمیں ریلیز ہوئیں۔زمین کا چاند، انسان بدلتا ہے، زمانہ کیا کہے گا۔یہ تینوں فلمیں کامیابی سے ہمکنار ہوئی تھیں۔

15 مئی 1962ء میں ریلیز ہونے والی ہدایتکار نجم نقوی کی فلم "قیدی" سپر ہٹ فلم تھی۔اور یہ شمیم آرا بطور ہیروئن پہلی سپر ہٹ فلم تھی۔اس موسیقار رشید عطرے نے اس فلم کے گانوں کی خوبصورت دھنیں بنائی تھیں۔اس فلم کی ایک خاص بات یہ بھی تھی کہ اس فلم بیک وقت آٹھ شعراء کے گانے آٹھ گلوکاروں کی آواز میں ریکارڈ کیے گئے تھے۔اس فلم کے تمام ڈائلاگ زبردست تھے جو کہ احمد راہی نے لکھے تھے۔اس فلم کے نمایاں اداکاروں میں شمیم آرا، درپن، لہری، نذر، سلمی ممتاز، پنا، ہمالیہ والا، طالش اور علاء الدین شامل تھے۔اس فلم میں شامل فیض احمد فیض کی غزل جسے میڈم نور جہاں نے گایا تھا بہت مشہور ہوئی جس کی مقبولیت آج بھی برقرار ہے (مجھ سے پہلی سی محبت، میرے محبوب نہ مانگ)

23 اکتوبر 1964ء میں ریلیز ہونے والی ہدایتکار خورشید انور کی فلم "چنگاری" ایک کامیاب اور موزیکل فلم تھی۔اس فلم میں شمیم آرا نے بہت اچھی اداکاری کی تھی نمایاں اداکاروں میں سنتوش، شمیم آرا، اعجاز، دیبا، کمال، نگہت سلطانہ، نصرت آرا، نصرت کاردار، محبوب کشمیری، اسد جعفری، اور طالش شامل تھے۔فلم کے موسیقار خواجہ خورشید انور تھے۔اس فلم میں مہدی حسن کا گایا گانا (آئے روشنیوں کے شہر بتا) مشہور ہوا تھا۔

29 اکتوبر 1965ء میں ریلیز ہونے والی ہدایتکار شریف نیئر کی فلم "نائلہ" ایک سپر ہٹ فلم تھی۔یہ فلم شمیم آرا کی پہلی رنگین فلم تھی۔اس فلم نے کراچی میں گولڈن جوبلی منائی تھی۔شمیم آرا کی لازوال اداکاری نے اس فلم کو چار چاند لگا دیئے تھے اس فلم کو خاص طور خواتین نے بہت پسند کیا تھا ۔نمایاں اداکروں میں۔سنتوش، درپن، گل رخ، شمیم آرا اور ساقی شامل تھے۔اس فلم کی کہانی مشہور ناول نگار رضیہ بٹ نے لکھی تھی۔قتیل شفائی، طفیل ہوشیار پوری اور حمایت علی شاعر کے لکھے گانوں کو موسیقار ماسٹر عنایت حسین نے بڑی خوبصورت دھنوں سے سنوارا تھا۔اور گلوکارہ مالا نسیم بیگم اور گلوکار مسعود رانا نے اپنی لازوال آواز میں ریکارڈ کرایا۔اس فلم کے سارے گانے ہٹ ہوئے۔گلوکارہ مالا کا گایا گانا (غم دل کو ان آنکھوں سے چھلک جانا بھی آتا ہے) آج بھی پسند کیا جاتا ہے۔

24 جنوری 1966ء میں ریلیز ہونے والی ہدایتکار ہمایوں مرزا کی فلم "آگ کا دریا" گولڈن جوبلی فلم تھی۔یہ فلم اداکار محمد علی لازوال فلموں میں شمار ہوتی ہے۔اس فلم میں محمد علی نے اعلی پائے کی اداکاری کی اور شمیم آرا نے اپنی اداکاری سے محمد علی کا خوب ساتھ نبھایا تھا۔اس فلم کے نمایاں اداکاروں میں محمد علی، شمیم آرا، ناصرہ، ساقی، اسد جعفری وغیرہ شامل تھے ۔فلم کے موسیقار غلام نبی اور عبدالطیف تھے۔اس فلم میں مسعود رانا کا گایا ملی نغمہ (آئے وطن ہم ہیں تیری شمع کے پروانوں سے) بہت مشہور ہوا تھا۔

28 اپریل 1967ء میں ریلیز ہونے والی ہدایتکار رضا میر کی فلم "لاکھوں میں ایک" سپر ہٹ فلم تھی۔یہ ایک ہندو مسلم پر مبنی محبت کی کہانی تھی۔نمایاں اداکاروں میں شمیم آرا، اعجاز، چم چم، احمد رشدی، مصطفی قریشی اور طالش شامل تھے۔اس فلم میں احمد رشدی نے بھی اداکاری کے جوہر دکھائے تھے۔یہ فلم شمیم آرا کی بیسٹ فلموں میں سے ایک ہے۔اس فلم کے موسیقار نثار بزمی تھے جنہوں نے خوب صورت دھنیں بنا کر تمام گانوں کو امر کر دیا تھا۔اس فلم کے تمام گانے ہٹ ثابت ہوئے تھے۔جن میں نور جہاں کا گایا ایک گانا۔(چلو اچھا ہوا تم بھول گئے۔اک بھول ہی تھا میرا پیار) بہت مقبول ہوا اور اس کی مقبولیت آج بھی قائم ہے۔

25 اگست 1967ء میں ریلیز ہونے والی ہدایتکار پرویز ملک کی فلم "دوراہا" سلور جوبلی فلم تھی۔سہیل رانا، پرویز ملک اور وحید مراد کی تکون کی یہ ایک اور کامیاب فلم تھی۔اور شمیم آرا کی وحید مراد کے ساتھ پہلی فلم تھی۔اس فلم کی کامیابی کے بعد شمیم آرا نے وحید مراد کے ساتھ بہت فلمیں کیں جن میں زیادہ تر کامیابی سے ہمکنار ہوئیں۔فلم "دوراہا" کے نمایاں اداکاروں میں وحید مراد، شمیم آرا، دیبا، ابراہیم نفیس، اور طالش شامل تھے۔یہ ایک تو رومانٹک اور میوزیکل فلم تھی

موسیقار سہیل رانا تھے جبکہ اس فلم نغمات مسرور انور نے لکھے۔اس فلم میں احمد رشدی کا گایا گانا(بھولی ہوئی ہوں داستاں، گزرا ہوا خیال ہوں) بہت مشہور ہوا تھا۔

یکم اپریل1968ءمیں ریلیز ہونے والی ہدائیتکار ایم اے رشید کی فلم" دل میرا دھڑکن تیری" گولڈن جوبلی فلم تھی۔یہ فلم وحید مراد اور شمیم آرا کی لازوال فلموں میں شمار ہوتی ہے۔اس فلم کی موسیقی ماسٹر عنایت حسین نے دی تھی جبکہ نغمات قتیل شفائی نے لکھے تھے۔نمایاں اداکاروں میں۔شمیم آرا، وحید مراد، رانی، سلمیٰ ممتاز، لہری، طالش اور اسلم پرویز شامل تھے۔اس فلم کے تمام گانے بہت مشہور ہوئے اور ان کی مقبولیت آج بھی برقرار ہے۔اس فلم میں مسعود رانا کا گایا گانا (جھوم آئے دل میرے پیا جانے بہار آئے)بہت مشہور ہوا تھا۔

1958

14 فروری1969ءمیں ریلیز ہونے والی ہدائیتکار قمر زیدی کی فلم" سالگرہ" گولڈن جوبلی فلم تھی۔اس فلم میں وحید مراد اور شمیم آرا کی جوڑی نے بہت کمال کی اداکاری کی۔فلم، کے نمایاں اداکاروں میں وحید مراد، شمیم آرا، طارق عزیز، سنتوش، نرالا اور طالش شامل تھے۔یہ ایک میوزیکل اور رومانٹک فلم تھی اس کے موسیقار نوشاد تھے جبکہ نغمات شیون رضوی نے لکھے تھے اور اس فلم تمام گانے بہت مشہور ہوئے۔اس فلم میں نورجہاں کا گایا ایک گانا(لے آئی پھر کہاں سے قسمت ہمیں کہاں پہ) آج بھی سنا اور پسند کیا جاتا ہے۔

8 جون1973ءمیں ریلیز ہونے والی ہدائیتکار فرید احمد کی فلم " خواب اور زندگی" اگرچہ ناکام فلم تھی مگر اس کے فلم کے سب گانے بہت مقبول ہوئے۔اگرچہ اس میں وحید مراد اور شمیم آرا کی جوڑی نے اچھی اداکاری کی تھی مگر لوگوں نے اس فلم کو پسند نہیں کیا یا پھر شاید ان دنوں وحید مراد کا ستارہ گردش میں تھا یہ بھی وجہ ہو سکتی ہے کہ اوپر تلے وحید مراد کی فلمیں فلاپ ہونے لگی تھیں۔یہ ایک رومانٹک اور میوزیکل فلم تھی۔نمایاں اداکاروں میں وحید مراد، شمیم آرا، صاعقہ، لہری، مسعود اختر، سائرہ، اور صبیحہ خانم شامل تھیں۔اس فلم کے موسیقار اے حمید تھے جبکہ نغمات قتیل شفائی نے لکھے تھے۔اس فلم میں مسعود رانا اور رونا لیلیٰ کا گایا دوگانہ(کل بھی تم سے پیار تھا مجھ کو، تم سے محبت آج بھی ہے)بہت مشہور ہوا تھا۔

1989ءمیں ریلیز ہونے والی ہدائیتکار اقبال کشمیری کی فلم" تیس مار خان" ایک فلاپ پنجابی فلم تھی اور یہ شمیم آرا کی پہلی پنجابی فلم اور بطور اداکارہ آخری فلم تھی۔اس فلم میں شمیم آرا نے اداکار ندیم کی ماں کا کردار ادا کیا تھا۔اور ندیم نے اس فلم میں ڈبل رول نبھایا تھا۔نمایاں اداکاروں میں ندیم، نادرہ، شمیم آرا، اور ساون وغیرہ شامل تھے۔

شمیم آرا بطور فلم ساز

20 ستمبر1968ءمیں ریلیز ہونے والی ہدائیتکار لئیق اختر کی فلم" صاعقہ" بطور پروڈیوسر شمیم آرا کی پہلی گولڈن جوبلی فلم تھی۔اداکاری کے بعد انہوں نے بطور پروڈیوسر فلم" صاعقہ" بنا کر اپنے ہنر کا لوہا منوالیا۔فلم کے نمایاں اداکاروں میں محمد علی، شمیم آرا، زمرد اور طالش وغیرہ شامل تھے۔یہ فلم رضیہ بٹ کے ناول سے ماخوذ تھی۔اس فلم کے موسیقار نثار بزمی تھے۔اس فلم میں مہدی حسن کا گایا گانا(اک ستم اور میری جاں، ابھی جاں باقی ہے) بہت مقبول ہوا۔

1974ءمیں ریلیز ہونے والی فلم" بھول" شمیم آرا بطور فلم ساز دوسری فلم تھی۔یہ سپر ہٹ فلم تھی۔نمایاں اداکاروں میں۔ندیم، شبنم، اور بابرہ شریف وغیرہ شامل تھے۔

1976ءمیں ریلیز ہونے والی فلم" جیو اور جینے دو" شمیم آرا بطور فلم ساز تیسری فلم تھی جو کہ بری طرح فلاپ ہوئی اس کے نمایاں اداکاروں میں۔وحید مراد، ممتاز، شمیم آرا، کویتا اور غلام محی الدین وغیرہ شامل تھے۔

5 ستمبر1978ءمیں ریلیز ہونے والی ہدائیتکارہ شمیم آرا کی فلم " پلے بوائے" سپر ہٹ فلم تھی۔یہ فلم شمیم آرا بطور فلمساز دوسری اور بطور ہدائیتکارہ کے پہلی فلم تھی۔نمایاں اداکاروں میں۔ندیم، بابرہ شریف، آصف رضا میر، ننھا اور طالش شامل تھے۔اس فلم کی کہانی مشہور صحافی اور فلم ساز علی سفیان آفاقی نے لکھی تھی جبکہ موسیقار ایم اشرف تھے۔اس فلم میں مہدی حسن کا گایا گانا(تیرا میرا کوئی نہ کوئی ناطہ ہے) کافی مشہور ہوا تھا۔

5 نومبر1993ءمیں ریلیز ہونے والی ہدائیتکارہ شمیم آرا کی فلم " ہاتھی میرے ساتھی" گولڈن جوبلی فلم تھی۔اور یہ فلم بطور فلم ساز شمیم آرا کی تیسری فلم تھی۔یہ میوزیکل اور کامیڈی فلم تھی جسے لوگوں نے بہت پسند کیا تھا۔نمایاں اداکاروں۔محسن حسن خان۔جان ریمبو، ریما، صاحبہ اور شفقت چیمہ شامل تھے۔فلم کے موسیقار واجد علی ناشاد تھے ۔اس فلم کا ٹائٹل سونگ(یہ ہاتھی میرے ساتھی) جو کہ محسن حسن خان پر فلمایا گیا تھا بہت مشہور ہوا تھا۔

شمیم آرا بطور ہدایت کارہ

ءمیں شمیم آرا کی بطور ہدائیتکارہ دو فلمیں ریلیز ہوئیں۔" بیٹا" اور" آخری مجرا" دونوں فلموں نے لاہور اور کراچی میں اچھا بزنس کیا تھا۔

آخری مجرا کا مرکزی کردار نیلی اور جاوید شیخ نے ادا کیا تھا ۔جبکہ فلم" بیٹا" میں اداکار محسن حسن خان، ریما، جان ریمبو ، صاحبہ اور شفقت چیمہ شامل تھے۔

14 اپریل1995ءمیں ریلیز ہونے والی ہدائیتکارہ شمیم آرا کی فلم" منڈا بگڑا جائے" ڈائمنڈ جوبلی فلم تھی۔نمایاں اداکاروں میں۔ریما، بابر علی، ریمبو، صاحبہ، اسماعیل تارہ، زیبا شہناز اور شفقت چیمہ شامل تھے۔اس فلم کے موسیقار ایم ارشد تھے۔اس فلم میں سلیم دانش کا گایا گانا(اماں دیکھ تیرا منڈا بگڑا جائے) بہت مشہور ہوا۔

1996ءمیں شمیم آرا کی تین فلمیں ریلیز ہوئیں۔" ہم تو چلے سسرال" اس فلم کے نمایاں اداکاروں میں، بابر علی، ریمبو، صاحبہ، ریما اور شفقت چیمہ شامل تھے۔یہ ایک کامیڈی اور میوزیکل فلم تھی اور اس فلم نے گولڈن جوبلی منائی۔دوسری فلم" لو95" تھی جو کہ سپر ہٹ ثابت ہوئی۔اس کے نمایاں اداکارون میں۔بابر علی، جان ریمبو، ریما، صاحبہ اور شفقت چیمہ وغیرہ شامل تھے۔تیسری فلم" مس استنبول" تھی جو کہ کامیاب فلم تھی۔اس کے نمایاں اداکاروں میں۔بابر علی۔جان ریمبو، ریما، صاحبہ اور شفقت چیمہ شامل تھے۔

1997ءمیں ان کی ایک فلم ریلیز ہوئی" ہم کسی سے کم نہیں " یہ کامیاب فلم تھی اس کے نمایاں اداکاروں میں۔بابر علی، جان ریمبو، ریما اور صاحبہ وغیرہ شامل تھے۔

1999ءمیں ان کی آخری فلم ریلیز ہوئی" پل دو پل" جو کہ بری طرح فلاپ ہوئی۔اس کے نمایاں اداکاروں میں سعد، معمر رانا اور میرا وغیرہ شامل تھے۔

شمیم آرا کی ازدواجی زندگی

شمیم آرا ایک ذہین اور سمجھ دار خاتون ہیں لیکن انہوں نے اپنی زندگی بارے جو بھی فیصلے کیے ناکام ثابت ہوئے۔جب تک" ماں جی" زندہ تھیں تو وہ ان کے ہی کہنے پر چلتی رہیں۔ان کے آگے اپنا کوئی فیصلہ نہیں کر سکتیں تھیں۔شاید یہی وجہ ہے کہ

شمیم آرا میں ذاتی فیصلے کرنے میں خود اعتمادی نہ آسکی۔ماں جی کی وفات کے بعد اگرچہ وہ خود مختار ہو گئیں تھیں لیکن کوئی بھی بڑا قدم اٹھانے کے لیے انہیں دوستوں سے مشورے کرنے پڑتے تھے یہ اور بات ہے کہ کبھی انہوں نے کسی کے مشورے پر عمل نہ کیا جو بھی فیصلہ کیا اپنے دل کا کہا مان کر کیا۔ جس کی وجہ سے انہوں نے اکثر ٹھوکر ہی کھائی۔یہی وجہ ہے کہ انہیں فلمی دنیا میں تو بہت کامیابی اور خوشی ملی لیکن ازدواجی زندگی میں انہیں خوشی نصیب نہ ہو سکی۔

شمیم آرا نے زندگی میں دوبار رومانس کیا۔اور وہ بھی ماں جی کی زندگی میں۔پہلے انہیں اداکار کمال سے پیار ہوا۔کمال جو کہ فلمی ہیروئنوں سے فلرٹ کرنے میں مشہور تھے اور بیک وقت بہت سی اداکاروں کو اپنی محبت کی جال میں پھانس رکھا تھا جن میں اداکارہ رانی بھی شامل تھیں۔ماں جی کمال سے ان کی شادی کے لیے رضامند نہ تھیں۔شمیم آرا کمال کی خاطر گھر تک چھوڑنے کے لیے تیار ہو گئی۔ان دونوں نے گھر سے بھاگ کر شادی کرنے کا فیصلہ کر لیا۔اور جس رات انہوں نے جانا تھا اس رات شمیم آرا جاگ کر کمال کا انتظار کرتی رہیں لیکن صبح ہو گئی اور کمال نہ آئے۔اور کمال کی بات یہ ہے کہ شمیم آرا نے اُف تک نہ کی اور نہ ہی کبھی کمال سے گلا شکوہ کیا۔

دوسری بار انہیں محمد علی کے قریب آنے کا موقعہ ملا۔محمد علی کے لیے ماں جی بھی راضی تھیں پھر یہاں قسمت شمیم آرا کے ساتھ ہاتھ کر گئی کہ محمد علی کی زندگی میں پہلے ایرانی اداکارہ شہ پارہ اور پھر اداکارہ زیبا داخل ہو گئیں۔

سندھ کے بلوچ قبیلے کے ایک سردار، جن کا نام سردار رند تھا۔ان کا شمیم آرا کے ہاں آنا جانا ہوا۔سردار رند ایک خوبصورت جوان اور زمین دار تھا اور فلمی اداکاراؤں میں دلچسپی رکھتا تھا۔سردار رند نے شمیم آرا کو ایک قیمتی مرسیڈیز بھی خرید کر دے رکھی تھی۔ایک مرتبہ بذریعہ کار شمیم آرا اپنی فیملی کے ساتھ کراچی جا رہی تھیں تو سردار رند بھی ان کے ساتھ شامل ہو گیا۔سہیون شریف میں انہوں نے قیام کیا۔دوسرے دن سردار رند نے اعلان کر دیا کہ ان کی شمیم آرا سے شادی ہو چکی ہے۔بعد میں شمیم آرا نے اس شادی کی تردید کر دی۔اور سردار رند سے طلاق لینے کی کوشش کی لیکن سردار رند طلاق دینے پر آمادہ نہیں تھا۔بقول شمیم آرا کے سردار رند نے اس سے زبردستی نکاح کیا تھا جسے وہ تسلیم نہیں کرتیں۔بعد میں سردار رند کا روڈ ایکسیڈنٹ میں انتقال ہو گیا اور اس طرح شمیم آرا کو چھٹکارہ مل گیا۔

ریڈیو اور ٹی وی کے مشہور ڈرائیکٹر ڈبلیو۔زیڈ بخاری کے بیٹے ہدایت کار فرید احمد، شمیم آرا سے سچی محبت کرتے تھے اور ان سے شادی کرنا چاہتے تھے۔فلم انڈسٹری کے بہت سے دوستوں نے شمیم آرا کو فرید احمد سے شادی کرنے کا مشورہ دیا لیکن شمیم آرا ان سے اس لیے شادی نہیں کرنا چاہتی تھیں کہ وہ کچھ غریب انسان تھے اور ان کے اخراجات نہیں اٹھا سکتے تھے۔

کراچی کی میمن فیملی سے تعلق رکھنے والے اور آگفا گیورٹ کے پاکستان میں ڈسٹری بیوٹر مجید کریم سے شمیم آرا نے شادی کر لی۔مجید کریم ایک خوش شکل اور تعلیم یافتہ انسان تھے لیکن پہلے سے شادی شدہ تھے۔ان کی پہلی بیوی نے شمیم آرا کو برداشت نہ کیا اور ان کے خلاف سازشیں شروع کر دیں جن کی وجہ سے بالآخر مجید کریم نے شمیم آرا کو طلاق دے دی۔اس شادی کی نشانی ایک بیٹا سلیمان کریم ہے اور یہ شمیم آرا کی واحد اور اکلوتی اولاد ہے۔۔کچھ عرصے بعد شمیم آرا نے ہدایت کار فرید احمد سے شادی کر لی لیکن یہ شادی صرف تین دن برقرار رہی اور طلاق ہو گئی۔اتنی جلدی شادی ختم ہونے کی کیا وجوہات تھیں۔اس بارے نہ تو کبھی فرید احمد مرحوم نے بتایا اور نہ ہی شمیم آرا نے لب کھولے۔

شمیم آرا نے آخر میں کراچی کی ایک فنانس کمپنی کے ایک پارٹنر دبیر الحسن سے شادی کر لی۔دبیر الحسن اچھی شخصیت کے مالک اور چرب زبانی میں کمال رکھتے ہیں اور باتوں میں جلد ہی دوسرے کو قائل کر لیتے ہیں وہ پہلے سے ہی شادی شدہ تھے اور ان کے بیوی بچے کراچی میں رہتے تھے۔نجانے انہوں نے شمیم آرا پر کیا جادو کیا کہ شمیم آرا نے اس سے شادی تو کی لیکن اس کے الٹے پلٹے کاموں میں اپنا تمام سرمایا لگا کر خود محتاج بن کر رہ گئیں۔یہاں تک کہ گلبرگ لاہور میں ایک عالی شان اور خوبصورت بنایا ہوا گھر بھی کرائے پر دینا پڑا اور خود کرائے کے فلیٹوں میں رہنے لگیں۔اور پھر کچھ عرصے بعد کرائے داروں نے کرایہ دینے اور مکان چھوڑنے سے انکار کر دیا۔دبیر الحسن نے کرائے داروں پر مقدمہ کر دیا جس کا تاحال فیصلہ نہیں ہو سکا۔

یہ بھی کیسی بد نصیبی ہے کہ شمیم آرا نے اپنے تمام رشتے داروں کو ذاتی مکان بنوا کر دیئے اور انہیں کاروبار کرا کر دیئے لیکن وہ خود بے گھر ہیں۔ان پر دو مرتبہ فالج کا دورہ پڑ چکا ہے۔جب پہلا دورہ پڑا تو ان کا بیٹا سلیمان کریم جو کہ پیدائشی برطانیہ کا شہری ہے اور لندن میں رہتا ہے نے ان کو اپنے ساتھ لندن لے گیا اور وہاں کے ایک ہسپتال میں علاج کرایا۔علاج سے وہ تندرست ہو گئیں۔اپنے مکان کے مقدمے کی پیروی کرنے وہ پاکستان آئیں اور انیس اکتوبر 2010ء کو ناشتے کی میز پر بیٹھی ہوئی تھیں کہ ان پر بیماری کا دورہ پڑا۔دماغ کی شریان متاثر ہونے کی وجہ سے وہ بے ہوش ہو گئیں۔انہیں لاہور کے ایک نجی ہسپتال میں داخل کرایا گیا۔اس کے علاج کے لیے اداکارہ ریشم نے امداد کی اپیل کے لیے پریس کانفرنس کی جس میں فلم انڈسٹری کے ہدایت کاروں، فلم سازوں اور اداکاروں نے شرکت کی۔بعد میں وزیر اعظم یوسف رضا گیلانی نے ہسپتال کا دورہ کیا اور شمیم آرا کی عیادت کی اور ان کے علاج کے لیے امداد کا اعلان کیا۔ان کے بیٹے سلیمان کریم پاکستان آئے اور انہیں اپنے ساتھ لندن لے گئے۔تادم تحریر 13 ستمبر 2011ء شمیم آرا لندن کے ایک ہسپتال میں نیم بے ہوشی کی حالت میں ہیں۔اللہ تعالی سے اس کی صحت و تندرستی کے لیے ہم دعا گو ہیں۔

شمیم آرا نے آخری کام بطور ہدایت کارہ ایک ٹی وی ڈرامہ کے کیا ہے جس کا نام "پرندہ" رکھا گیا لیکن اب اس ڈرامے کا نام بدل کر "لوٹ آؤ" رکھ دیا گیا ہے۔

شمیم آرا کے فلمی ایوارڈ

1960ء نگار ایوارڈ بیسٹ اداکارہ فلم "سہیلی"

1964ء نگار ایوارڈ بیسٹ اداکارہ فلم "فرنگی"

1965ء نگار ایوارڈ بیسٹ اداکارہ فلم "نائلہ"

1967ء نگار ایوارڈ بیسٹ اداکارہ فلم "لاکھوں میں ایک"

1968ء نگار ایوارڈ بیسٹ اداکارہ فلم "صاعقہ"

1968ء نگار ایوارڈ بیسٹ پروڈیوسر فلم "صاعقہ"

1989ء نگار ایوارڈ بیسٹ اداکارہ فلم "تیس مار خان"

1993ء اسپیشل ایوارڈ بیسٹ ہدایتکارہ فلم "ہاتھی میرے ساتھی"

1994ء نگار ایوارڈ بیسٹ ہدایتکارہ فلم "آخری مجرا"

1995ء نگار ایوارڈ بیسٹ ہدایتکارہ فلم "منڈا بگڑا جائے"

شمیم آرا کی فلموں کی تفصیل

1956ء کنواری بیوہ، مس 56

1958ء انار کلی، واہ رے زمانے

1959ء عالم آرا، فیصلہ، راز، سویرا، اپنا پرایا، جائداد، مظلوم

1960ء باغی، عزت، دو استاد، رات کے راہی، روپ متی اور باز بہادر، سہیلی
1961ء زمین کا چاند، انسان بدلتا ہے
1962ء انقلاب، میرا کیا قصور، قیدی، محبوب، آنچل
1963ء کالا پانی، قانون، غزالہ، نتیجہ، سیما، دلہن، اک تیرا سہارا، تانگے والا
1964ء باپ کا پاپ، شکاری، تنہا، مے خانہ، پیار کی سزا، پیغام، شباب، چنگاری، حویلی، فرنگی
1965ء دیوداس، فیشن، نائلہ، دل کے ٹکڑے
1966ء جلوہ، مجبور، میرے محبوب، پردہ، قبیلہ، آگ کا دریا
1967ء عالیہ، لاکھوں میں ایک، دوراہا، ہمراز
1968ء دوسری ماں، کھلونا، جان آرزو، دل میرا دھڑکن تیری، صاعقہ، میرا گھر میری جنت
1969ء سالگرہ، دل بیتاب، آنچ
1970ء آنسو بن گئے موتی، بے وفا
1971ء نائٹ کلب، پرائی آگ، وحشی، خاک اور خون
1972ء ہل اسٹیشن، زندگی اک سفر ہے، انگارے، سہاگ
1973ء فرض، خواب اور زندگی
1976ء وقت، زیب النساء، جیو اور جینے دو
1981ء میرے اپنے
1989ء تیس مار خان

شمیم آرا کی بطور ہدایت کارہ فلمیں

بھول، میرے اپنے، پل دو پل، جیو اور جینے دو، منڈا بگڑا جائے، ہم کسی سے کم نہیں، پلے بوائے، ہاتھی میرے ساتھی، ہم تو چلے سسرال، لو بچا نوے، مس سنگاپور، مس کولمبو، مس استنبول، مس ہانگ کانگ، مس بنکاک، لیڈی اسمگلر، لیڈی کمانڈو، بیٹا، آخری مجرا وغیرہ۔۔۔اختتام۔۔۔

میرے پاس اپنی صفائی میں کہنے کے لیے کچھ بھی نہیں۔ جو میرا گناہ ہے وہ محبت کی عدالت میں قابل معافی ہو ہی نہیں سکتا۔ محبت کرنے والے مجھ جیسے سفاک اور تنگ دل نہیں ہوتے خرد۔ محبت کرنے والے مجھ جیسے ہرگز نہیں ہوتے۔ تم مجھے کبھی بھی معاف مت کرنا خرد، لیکن صرف حریم کے لیے، ہماری بیٹی کے لیے مجھے ایک بار پھر قبول کر لو۔

فرحت اشتیاق کے ناول ہم سفر سے ایک اقتباس

مرسلہ: کائنات

کرکٹ کی روح ابھی باقی ہے!!!

تحریر: عبداللہ

18 دسمبر وہ دن تھا جب ایک روزہ کرکٹ کی تاریخ کا درخشاں باب بند ہو گیا۔ اور اس ستارے کا نام تھا راہول ڈریوڈ جس کو دی وال کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔

انڈیا اور انگلینڈ کے درمیان سیریز کا آخری اور ڈریوڈ کے کریئر کا آخری میچ چل رہا تھا۔ ڈریوڈ 63 اور کوہلی 100 رن پر ناٹ آؤٹ تھا۔ گریم سوان باؤلنگ کروا رہا تھا۔ کہ ڈریوڈ نے سوان کی ایک گیند کو باؤنڈری سے باہر بھیجنے کی کوشش کی لیکن بولڈ ہو گئے۔ یوں ایک تاریخ ساز کھلاڑی کا شاندار کریئر اختتام پذیر ہوا۔

ڈریوڈ نے اپنے کریئر کے دوران کافی ساری کامیابیاں حاصل کیں۔ چونکہ یہ تحریر ڈریوڈ کے کریئر کے متعلق نہیں اسلئے اس پر پھر کبھی بات ہو گی۔

ڈریوڈ کے بولڈ ہوتے ہی اسٹیڈیم میں موجود تمام تماشائیوں نے تالیاں بجا کر اور کھڑے ہو کر داد دی۔ تمام انگلش کھلاڑیوں نے آکر ڈریوڈ سے ہاتھ ملایا۔ باؤلر سوان نے بھی وکٹ لینے کی خوشی کو منسوخ کر کے ڈریوڈ سے آکر ہاتھ ملایا۔ لیکن اسی دوران جو ناتھن ٹراوٹ نے فعل کیا وہ ویسے تو بہت سے چھوٹا سا تھا لیکن فی البدیہی بہت بڑا تھا۔ ٹراوٹ ڈریوڈ کے پاس پہنچے۔ اپنی کیپ اتاری اور خراج تحسین دیتے ہوئے ڈریوڈ سے ہاتھ ملایا۔

ظاہری طور پر یہ فعل عام سا دکھائی دیتا ہے۔ لیکن اس فعل نے ثابت کر دیا کہ جینٹل مین کے کھیل میں ابھی بھی کھیل کی روح باقی ہے۔ یہ فعل اس بات کو ثابت کرتا ہے۔ کھیل ہمیشہ کھیل کے جذبہ سے کھیلا جانا چاہئے۔ اور کھیل اسی جذبے سے کھیلا جانا چاہیئے۔

کرکٹ کی تاریخ میں ایسے چند اور بھی مثالیں جو اس بات کو واضح کرتی ہیں کہ کرکٹ کی روح ابھی باقی ہے۔ طوالت کی غرض سے انکا ذکر نہیں کر رہا۔ لیکن یہ کہتا ہوں کہ کرکٹ میں ابھی جینٹل مین کی روح باقی ہے۔ جسے برقرار رہنا چاہیئے۔

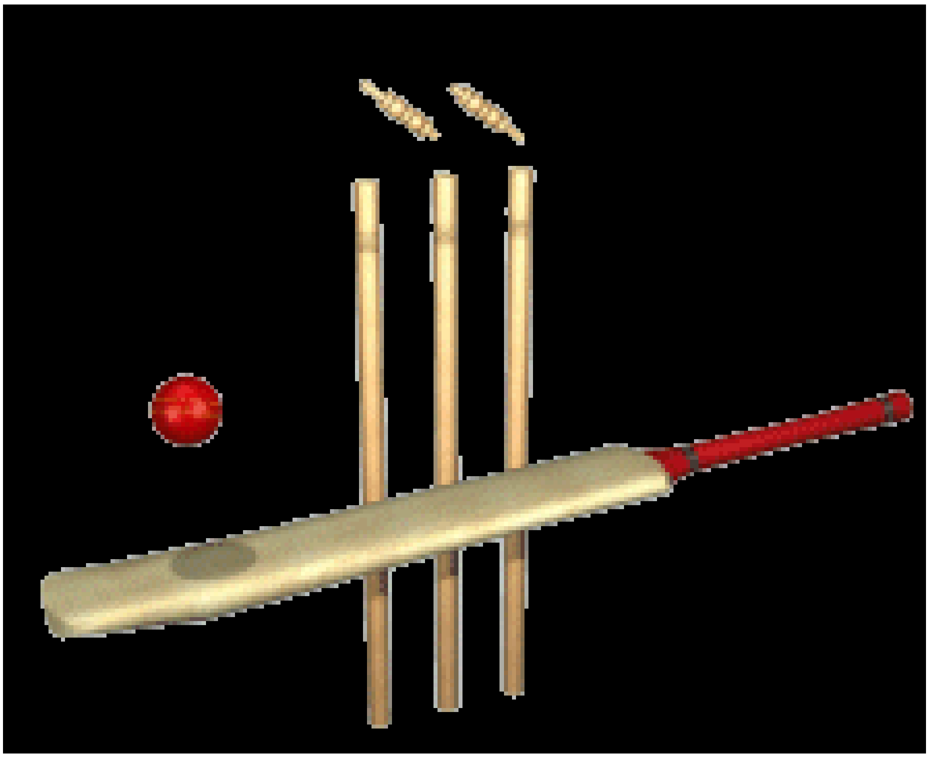

عامر خان

تحریر: مون

سیانے کہتے ہیں پوت کے پاؤں پالنے میں ہی نظر آجاتے ہیں۔ رب جانے اب اس پوت کے پاؤں پالنے نظر آئے تھے یا نہیں لیکن گیارہ سال کی عمر میں اس پوت کے گُن ضرور سب کو نظر آنے شروع ہو گئے تھے۔

بھلے وقتوں میں پنجاب راولپنڈی سے ہجرت کر کے برطانیہ شفٹ ہونے والے راجپوت خاندان کو 1986 میں عامر اقبال خان کی شکل میں مستقبل کا فاتح باکسر ملا۔

انگلینڈ کے علاقے بولٹن کے لوکل سکول اور کالج سے تعلیم حاصل کرنے والے عامر خان کی دو بہنیں اور ایک بھائی ہے۔ جو کہ امیچور باکسر ہے۔

خود عامر نے امیچور باکسر کے طور پر اپنے کیریئر کا آغاز کیا اور گیارہ سال کی عمر میں باکسنگ کے مقابلے پروفیشنلی کھیلنے شروع کرتے ہوئے جلد ہی عامر نے تین انگلش سکول ٹائٹلز اپنے کھاتے میں ڈال لیے تھے۔

دوہزار تین میں جونیئر اے بی اے (Amateur Boxing Association) کے تین ٹائٹل اور جونیئر اولمپک میں گولڈ میڈل جیتا۔

دوہزار چار میں اپنی کامیابیوں کے سفر کو مزید آگے بڑھاتے ہوئے عامر نے اس سال کی سمر ایتھنز اولمپک کے لیے کوالیفائی کیا۔ سترہ سال کی عمر میں برطانیہ کے لیے چاندی کا تمغہ جیت کر برطانیہ کے کم عمر ترین چیمپئین کا اعزاز حاصل کیا

جو اس سے پہلے کولن جونز کے پاس تھا۔

عامر خان فائنل میں جس کیوبن سے ہارے تھے دوہزار پانچ میں آخری امیچور فائٹ میں اسے ہرا کر اپنا بدلہ لینا نہیں بھولے۔

اس کے بعد خان نے اپنا ریگیولر پروفیشنل کیریئر 2005 میں شروع کیا جب انہوں نے انگلش باکسر پرموٹر فرینک وارن کو ہائر کیا۔ کہا جاتا ہے ایسا عامر نے اس لیے کیا کہ ان کے انگلش امیچور ایسوسی ایشن کے ساتھ چند اختلافات تھے۔ اس لیے انہوں نے اپنی راہیں ان سے جُدا کر لیں۔ بہر حال اس کے بعد خان نے لائٹ ویٹ سے ویلٹر welterweight ویٹ کی کیٹگری میں فائٹس کا آغاز کیا۔

جو لوگ نہیں جانتے کہ لائٹ ویٹ اور ویلٹر ویٹ میں کیا فرق ہے۔ یہ ویٹ کیٹگریز باکسنگ، کک باکسنگ، تائیکوانڈو، مکسڈ مارشل آرٹس میں استعمال کی جاتی ہے جس میں وزن کے حساب سے لوگ رکھے جاتے ہیں اور اسی کیٹگریز کے لوگوں سے فائٹ کی جاتی ہے۔ کسی کانگڑی پہلوان کو سوموریسلر سے نہیں لڑایا جائے اس سے بچاؤ کے لیے یہ کیا جاتا ہے۔

ویلٹر ویٹ کے لیے عموماً" 140 پاؤنڈ سے 147 پاؤنڈ کا وزن متعین ہوتا ہے۔ یعنی 63 کلو سے 66 کلو تک۔

تب سے لے کر ابھی تک خان نے مُڑ کر پیچھے نہیں دیکھا ہے۔ اپنے ستائیس مقابلوں میں سے ایک ہارے اور چھبیس جیتے۔

سب سے زیادہ مشہور مقابلہ جس کو میڈیا نے بے انتہا کوریج دی تھی وہ Dmitry Salita کے ساتھ تھی کیونکہ خان مسلمان ہیں اور ڈیمٹری آرتھوڈوکس یہودی ہے اور میڈیا نے حسب سابق بلکہ ہمیشہ کی طرح بارہ مصالحے ڈال کر اس مقابلے کو ہولی وار یا ایمان کی جنگ قرار دے دیا۔ جس کی پُرزور تردید دونوں باکسرز نے کی۔ لیکن پریشر دونوں پر ہی بہت تھا۔ یہ مقابلہ عامر نے دس سیکنڈ میں ڈمیٹری کو ناک ڈاؤن کر کے جیت لیا تھا۔

ابھی تک عامر کے پاس یہ اعزازات ہیں۔

Total fights 27

Wins 26

Wins by KO 18

Losses 1

WBA Light Welterweight Champion

18 July 2009 – 23 July 2011

WBA Light Welterweight Champion

23July 2011 – present

Zab Judah IBF Light Welterweight Champion

23 July 2011 – present

پردیس میں رہنے والے دیسی بچوں پر اللہ کا فضل اس معاملے میں تو بنا شک کے ہوتا ہے کہ وہ انگلش یا جس دیس میں رہتے ہیں ان کی زبان کے ساتھ اپنی مادری زبان بھی بہت اچھے سے بول اور سمجھ لیتے ہیں۔ اور ایسے لوگ جب کسی bilingual وجہ سے عالمی سطح پر شہرت پاتے ہیں تو پردیس کے ساتھ اپنے آبائی ملک کے لوگوں میں بھی بہت مشہور ہوتے ہیں۔

عامر خان جو پیدا تو انگلینڈ میں ہوا ہے لیکن پاکستان میں بھی اتنا ہی مشہور ہے جتنا کہ کوئی برٹش اسے پسند کرتا ہے اور اس پر فخر کرتا ہے۔ عامر کا فرسٹ کزن ساجد محمود انگلینڈ کی کرکٹ ٹیم میں ہے۔ باکسنگ اور کرکٹ کا معاملہ ذرا علیحدہ ہے۔ ہماری قوم چونکہ اس معاملے میں جذباتی زیادہ ہے اس لیے عامر خان کو توپسندیدگی کی سند ملی لیکن ساجد محمود کو غدار جیسے القاب سے بھی نوازا گیا۔ لیکن عامر اور اس کے جیسے لوگ جو پیدا دوسرے ممالک میں ہوئے ہیں اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ اپنے ٹیلنٹ کو وہاں پر ہی دکھائیں گے جہاں پذیرائی کی توقع ہو گی۔ وہ جہاں پیدا ہوئے پلے بڑھے اور جہاں ان کو فیئر چانس ملے گا آگے بڑھنے کا وہیں اپنی وفاداری بھی دکھائیں گے۔

ماہ دسمبر کے شمارے کی جھلکیاں

☆اسلامی تحاریر، قسط وار ناول، افسانے، مضامین، شاعری، گوشہ ءخواتین اور بہت کچھ۔۔۔۔!

☆ماہ اکتوبر کا شمارہ آپ کو کیسا لگا۔ ہم آپ کی رائے کے منتظر ہیں۔

☆ماہ دسمبر کے شمارے کے لئے آپ ابھی اپنی تحاریر بزریعہ پرسنل میسیج میگزین ٹیم کو بھجوائیں۔

☆اگر آپ ون اردو کے ممبر نہیں ہیں تو اپنی تحاریر اور آراء اس ای میل ایڈریس پہ بھجوائیں۔

oneurdumag@yahoo.com